ہفتہ روزہ
حیدرآباد
R.N.I.No.APURD/2013/54302

فلک نما نیوز

FALAKNUMA NEWS
Urdu Weekly Hyderabad
Editor In Chief: MOHD ATHER RAHEEM

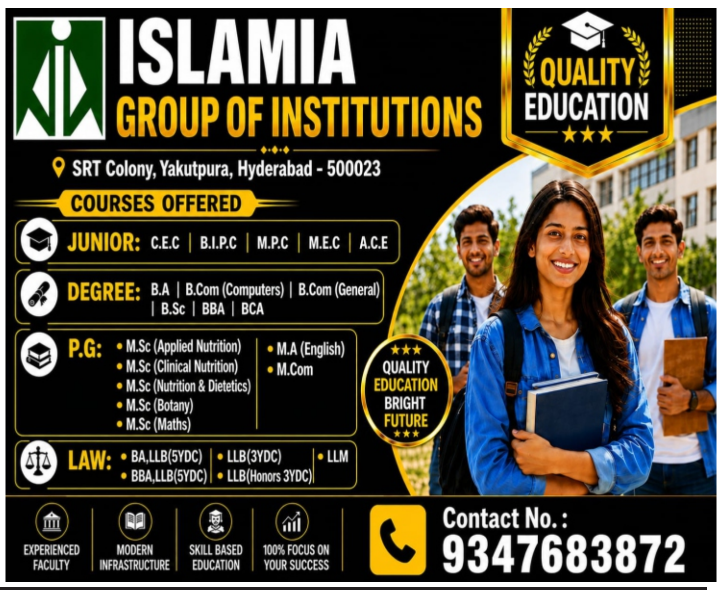

MONDAY 14 SEPTEMBER 2026 VOLUME:14 ISSUE :34 Rs.2.00 PAGES 4

پیر ۱۴رستمبر ۲۰۲۶ء یکم ربیع الآخر ۱۴۴۸ھ جلد (۱۴) شمارہ (۳۴) قیمت ایک روپیہ

حکومت کی ترقیاتی اور فلاحی اسکیمات کو عوام تک پہنچانا ارکان اسمبلی کی ذمہ داری

اپوزیشن کی سازش کا منہ توڑ جواب دیں، اسمبلی کارروائی میں رکاوٹ کیلئے بی آر ایس کی کوشش، کانگریس لیجسلیچر پارٹی اجلاس سے چیف منسٹر کا خطاب

حیدرآباد۔ چیف منسٹر ریونت ریڈی نے پارٹی ارکان اسمبلی اور کونسل کو ہدایت دی کہ حکومت کے ترقیاتی اور فلاحی اقدامات کو بہتر انداز میں عوام تک پہنچائیں اور 1000 دن کے حکومت کے کارناموں کو پیش کریں۔ چیف منسٹر ریونت ریڈی آج اسمبلی کے کمیٹی ہال میں کانگریس لیجسلیچر پارٹی اجلاس سے خطاب کر رہے تھے۔ اجلاس میں وزراء اور ارکان اسمبلی اور کونسل نے شرکت کی۔ حکومت کے 1000 دنوں کی تکمیل کے بعد پہلی مرتبہ سی ایل پی اجلاس طلب کیا گیا۔ اسمبلی میں بی آر ایس ارکان کی ہنگامہ آرائی اور معطلی کے پس منظر میں سی ایل پی اجلاس اہمیت کا حامل ہے۔ صدر پردیش کانگریس مہیش کمار گوڑ بھی اجلاس میں شریک تھے۔ چیف منسٹر نے کہا کہ عوام کو حکومت کی ایک ہزار دن کی کارکردگی سے واقف کرانے کیلئے اسمبلی اجلاس طلب کیا گیا ہے۔ اجلاس میں حصہ لینے کے بجائے اہم اپوزیشن بی آر ایس کی جانب سے سازش کی گئی تاکہ اجلاس کو ناکام بنایا جائے۔ چیف منسٹر نے کہا کہ بی آر ایس قائدین کو اقتدار سے محرومی کے باوجود غرور اور تکبر کے کمی نہیں آئی ہے۔ احتجاج کے دوران خاتون پولیس ملازمین کے روبرو بی آر ایس ارکان نے ٹی شرٹ اتار کر افسوسناک حرکت کی ہے۔ اسپیکر کے خلاف انتہائی نازیبا الفاظ کا استعمال کیا گیا۔ انہوں نے کانگریس ارکان اسمبلی اور کونسل کو ہدایت دی کہ اپوزیشن کی سازش کو سختی کے ساتھ ناکام بنائیں۔ حکومت کے خلاف بی آر ایس جو بھی سازش کر رہی ہے، اس کا مقابلہ کرنا عوامی نمائندوں کی ذمہ داری ہے۔ چیف منسٹر نے ارکان مقننہ سے کہا کہ وہ اسمبلی اور کونسل کے اجلاس میں پابندی سے شریک ہوکر عوامی مسائل پر مباحث میں حصہ لیں۔ چیف منسٹر نے بی آر ایس سربراہ کے سی آر کو تنقید کا نشانہ بنایا اور کہا کہ قائد اپوزیشن کی ذمہ داری ادا کرنے کے بجائے فارم ہاؤز میں آرام کر رہے ہیں۔ بی آر ایس ارکان نے تین دن تک ایوان کی کارروائی میں رکاوٹ پیدا کی ہے۔ انہوں نے کہا کہ دلت طبقہ سے تعلق رکھنے والے اسپیکر کے خلاف نازیبا الفاظ کا استعمال کیا گیا۔ انہوں نے ارکان مقننہ سے کہا کہ عوام نے جو توقعات وابستہ کی ہیں، ان پر پورا اترنے کی کوشش کریں اور اسمبلی کے مباحث میں حصہ لیں۔ اسمبلی اور کونسل میں اپنے حلقہ جات کے عوامی مسائل کو پیش کریں۔ انہوں نے کہا کہ کانگریس کے سبب سیتا لکشما ریڈی اور سیتا اندرا ریڈی کو سیاست میں یہ مقام حاصل ہوا ہے۔ انہوں نے کہا کہ اسمبلی کے احاطہ میں احتجاج کے دوران کے ٹی آر اور ان کے ساتھیوں نے پولیس عہدیداروں اور ملازمین پر حملہ کیا۔ تلنگانہ میں طبقاتی سروے ملک کیلئے رول ماڈل ثابت ہوا ہے۔ تلنگانہ کی طرز پر ملک بھر میں طبقاتی سروے کیلئے مرکز سے مطالبہ کیا جارہا ہے۔ چیف منسٹر نے الزام عائد کیا کہ تلنگانہ میں SIR مہم کے ذریعہ بڑی تعداد میں ناموں کو فہرست رائے دہندگان سے حذف کرنے کی سازش کی جارہی ہے۔ انہوں نے کہا کہ ارکان اسمبلی کو اپنے اپنے حلقہ جات میں رائے دہندوں کے ناموں کی فہرست میں برقراری کو یقینی بنانا چاہئے۔ انہوں نے کہا کہ ملک کی آبادی 103 کروڑ میں رائے دہندے صرف 88 کروڑ ہیں اور 15 کروڑ نام فہرست سے نکال دیئے گئے۔ انہوں نے ارکان اسمبلی سے کہا کہ وہ جاریہ ایس آئی آر مہم پر خصوصی توجہ مرکوز کریں اور حکومت کے خلاف سازش کا منہ توڑ جواب دیں۔ انہوں نے کہا کہ تلنگانہ میں کانگریس دوبارہ اقتدار حاصل کرے گی، اس کے لئے ارکان اسمبلی کو اپنی کارکردگی بہتر بنانے کی ضرورت ہے۔

SIR کی تصدیق ووٹر لسٹ میں نام محفوظ رکھنے کے لیے وقت پر جواب دینا لازمی

نوٹس کا جواب آن لائن آف لائن دینے کی سہولت۔ آن لائن میں جمع کی گئی دستاویزات بی ایل او کو دینا لازمی

حیدرآباد۔: تلنگانہ میں ووٹر لسٹوں کی درستگی کے عمل کو شفاف بنانے کے لیے الیکشن کمیشن کی جانب سے رائے دہندگان کو جاری کیئے جانے والے نوٹس کا بروقت اور صحیح جواب دینا انتہائی ضروری ہوگیا ہے۔ الیکشن کمیشن کے عہدیداروں نے واضح کیا ہے کہ اگر کسی ووٹر کو بی ایل او کی جانب سے نوٹ وصول ہوتا ہے تو اس کا مکمل جواب آن لائن یا آف لائن فارمیٹ میں پیش نہیں کیا جاتا ہے تو ووٹر لسٹ میں نام کی منسوخی یا دیگر دشواریوں کا سامنا کرنا پڑسکتا ہے۔ الیکشن کمیشن کے حکام کے مطابق نوٹس وصول ہونے پر ووٹرس کو سب سے پہلے اس میں درج کی گئی وجہ کو غور سے پڑھنا چاہئے اور اپنی تفصیلات کو ثابت کرنے کے لیے مطلوبہ دستاویزات اور شواہد کی کاپیاں فوری طور پر فراہم کرنی چاہئے۔ سب سے پہلے نوٹس پر توجہ دیں کہ آیا یہ پتہ کی تبدیلی، نام میں غلطی، ایک سے زائد مقامات پر درج نام یا خاندانی تفصیلات کی تصدیق سے متعلق ہے۔ ووٹر کی طرف سے دی جانے والی وضاحت میں مکمل نام۔EPIC کارڈ (ووٹر شناختی کارڈ) نمبر، موجودہ پتہ، موبائل نمبر اور بنیادی تفصیلات کا درست ہونا ضروری ہے۔ شناختی ثبوت میں آدھار کارڈ، پیان کارڈ یا پاسپورٹ شامل ہے۔ پتے کے ثبوت میں راشن کارڈ، برقی کا بل یا بینک پاس بک شامل ہے۔ تاریخ پیدائش کے ثبوت میں پیدائش کا سرٹیفکیٹ، ایس ایس سی، میمو شامل ہے۔ دیگر ثبوت میں اگر ووٹر لسٹ کی پرانی نقول یا اہل خانہ کی تفصیلات درکار ہوں تو ان کی فوٹو کاپیاں بھی منسلک کی جائیں۔ اگر نوٹس PortaECI کی ویب سائٹ یا MobileEcinet App پر دستیاب ہے تو ووٹر اپنے تمام ثبوت اور دستاویزات آن لائن پورٹل پر اپ لوڈ کرسکتے ہیں۔ آن لائن پورٹل پر تفصیلات اپ لوڈ کرنے کے باوجود انتخابی حکام کی جانب سے مشورہ دیا گیا ہے کہ آن لائن رجسٹرڈ شواہد کی کاپیاں (Xerox copies) اپنے متعلقہ بی ایل او کو بھی فراہم کریں۔ الیکشن کمیشن کے عہدیداروں کا کہنا ہے کہ ووٹر کی تفصیلات اور ثبوت مکمل طور پر پورٹل پر اپ لوڈ نہ ہونے یا بی ایل او تک نہ پہونچنے کی صورت میں ووٹر لسٹ کی تصدیق ادھوری رہ جائے گی۔ جس کے باعث رائے دہندگان کو مشکلات کا سامنا کرنا پڑے گا۔ شہر و اضلاع سے یہ بھی شکایتیں وصول ہورہی ہیں کہ جو ووٹرس نوٹس موصول ہونے کے بعد مقررہ وقت اور طئے شدہ تاریخ کو ساعت کے لیے رجوع ہورہے ہیں انہیں کونسی نوٹس وصول ہوئی ہے اور اس کے ثبوت کے طور پر کونسے دستاویزات پیش کرنا چاہئے۔ اس کا انتخابی عملہ باریک بینی سے چھان بین نہیں کررہا ہے۔ ہر ووٹر سے، آدھار کارڈ، ایس ایس سی و دیگر تعلیمی سرٹیفکیٹس اور ووٹر شناختی کارڈ کی کاپیاں وصول کرتے ہوئے فوٹو کھینچ کر واپس لوٹا رہا ہے۔ نام کی غلطیاں یا جس سے ان کی میاپنگ کی گئی ہے۔ ان کے نام، عمر یا پتے کی غلطیوں کے ثبوت پیش کرنے کی وضاحت طلب نہیں کی جارہی ہے۔ جب ووٹرس کی جانب سے ساعت مکمل ہونے کے بعد اپنے اطمینان کے لیے انتخابی عملہ سے سوال کیا جارہا ہے۔ کیا انہوں نے جو بھی تفصیلات پیش کی ہے وہ درست ہے تو انتخابی عملہ یہ جواب دے رہا ہے کہ ان کی تفصیلات آن لائن میں اپ لوڈ کردی جائے گی اگر الیکشن کمیشن مطمئن ہوگا تو انہیں کوئی نوٹس نہیں آئے گی ورنہ دوبارہ نوٹس آسکتی ہے یا طلب کیا جاسکتا ہے۔ انتخابی عملے کے اس جواب سے شہریوں میں الجھن پائی جاتی ہے۔

تلنگانہ کے 12 لاکھ سرکاری ملازمین اور پنشنرس کیلئے ایک کروڑ کی حادثاتی انشورنس اسکیم اسمبلی میں بھٹی وکرمارکا کا بیان

حیدرآباد۔) ڈپٹی چیف منسٹر بھٹی وکرمارکا نے کہا کہ سرکاری ملازمین کیلئے ایک کروڑ کا حادثاتی بیمہ ملک کیلئے مثالی ہے۔ تلنگانہ حکومت نے سرکاری ملازمین، پنشنرس، کنٹراکٹ، آؤٹ سورسنگ ملازمین کو ایکسیڈنٹ انشورنس کے دائرہ کار میں شامل کیا ہے۔ اسکیم سے 12.91 لاکھ ملازمین اور پنشنرس کو فائدہ ہوگا۔ اسمبلی میں وقفہ سوالات کے دوران ملازمین کی بھلائی کے اقدامات پر تفصیلات پیش کرتے ہوئے بھٹی وکرمارکا نے کہا کہ تلنگانہ حکومت نے ایکسیڈنٹ انشورنس اسکیم کے ذریعہ ملک کی دیگر ریاستوں کے لئے مثال قائم کی ہے۔ کئی ریاستوں حتیٰ کہ مرکزی حکومت نے بھی اسکیم کے بارے تفصیلات حاصل کی ہے۔ انہوں نے کہا کہ 16 بینکوں سے معاہدہ کے ذریعہ اسکیم پر عمل کیا جارہا ہے۔ اسکیم کے تحت حادثاتی طور پر موت کی صورت میں افراد خاندان کو ایک کروڑ کا انشورنس دیا جائے گا۔ دیگر سہولتوں کو ملاکر جملہ 1.20 کروڑ ادا کئے جائیں گے۔ طیارہ کے حادثہ میں موت کی صورت میں دو کروڑ انشورنس ادا کیا جائے گا۔ طبعی موت کی صورت میں 10 لاکھ روپئے تک حاصل ہوسکتے ہیں۔ انہوں نے کہا کہ ابھی تک 98 کلیمس کی یکسوئی کی گئی ہے۔ سنگارینی کالریز میں 50 کلیمس کی یکسوئی کردی گئی۔ محکمہ برقی میں 15 کلیمس کو حل کیا گیا۔ انہوں نے بتایا کہ سرکاری ملازمین کی جانب سے داخل کردہ 33 کلیمس میں 24 کی یکسوئی کردی گئی۔ حادثاتی انشورنس اسکیم میں برقی ملازمین کو بھی شامل کیا گیا ہے۔ سرکاری ملازمین کیلئے 25 جون 2026 سے انشورنس اسکیم پر عمل کیا جارہا ہے۔ انہوں نے کہا کہ سرکاری ملازمین، پنشنرس اور ان کے افراد خاندان کے علاج سے متعلق ہیلت کارڈ اسکیم پر حکومت نے 240 کروڑ مختص کئے ہیں۔

عصری ٹکنالوجی کے استعمال کا مشورہ، قانون حق معلومات پر کانفرنس سے گورنر شیو پرتاپ شکلا کا خطاب

حیدرآباد۔) گورنر تلنگانہ شیو پرتاپ شکلا نے ملک بھر میں قانون حق معلومات RTI پر موثر عمل آوری کی ضرورت پر زور دیا۔ انہوں نے انفارمیشن کمیشن اور سرکاری محکمہ جات سے خواہش کی کہ وہ عوام کو معلومات کی فراہمی کیلئے موثر حکمت عملی اختیار کریں اور آر ٹی آئی قانون کو کامیاب بنائیں۔ گورنر آج آر ٹی آئی قانون پر عمل آوری چیلنجس اور حل کے موضوع پر دو روزہ قومی کانفرنس سے ایڈمنسٹریٹیو اسٹاف کالج آف انڈیا میں خطاب کررہے تھے۔ گورنر نے کہا کہ آر ٹی سی قانون پر عمل آوری کا اندازہ صرف موصولہ درخواستوں سے نہیں کیا جاسکتا بلکہ شفافیت کے ساتھ اور جوابدہی کے ذریعہ حکمرانی کو یقینی بنانے کیلئے زیادہ درخواستوں کی یکسوئی سے کیا جاسکتا ہے۔ انہوں نے کہا کہ آر ٹی آئی ایکٹ کے سیکشن 4 کے تحت معلومات کی فراہمی کو اولین ترجیح دی جائے۔ سرکاری محکمہ جات کو چاہئے کہ وہ تمام تر معلومات عوام کے لئے دستیاب رکھیں۔ اس کے لئے باقاعدہ خصوصی سسٹم تیار کیا جائے۔ گورنر نے کہا کہ سرکاری محکمہ جات کی جانب سے معلومات کی فراہمی کیلئے موثر سسٹم تیار کیا جائے تاکہ شفافیت کے ساتھ انتظامی امور کی تکمیل ہوسکے۔ گورنر نے شفافیت اور کارکردگی میں بہتری کیلئے آرٹیفشل انٹلیجنس کے استعمال کا مشورہ دیا تاکہ ڈیجیٹل ریکارڈ مینجمنٹ کو یقینی بنایا جاسکے۔ انہوں نے آر ٹی آئی قانون کے سلسلہ میں عہدیداروں کو ٹریننگ دینے کا مشورہ دیا۔ کانفرنس کا اہتمام نیشنل فیڈریسن آف انفارمیشن کمشنرس ان انڈیا نے تلنگانہ انفارمیشن کمیشن کے اشتراک سے کیا۔ افتتاحی اجلاس سے سنٹرل انفارمیشن کمشنر آر کے گوئل، ایڈمنسٹریٹیو اسٹاف کالج کے صدرنشین کے پدمنا بھیا ڈائرکٹر جنرل این رمیش کمار نے مخاطب کیا۔ کانفرنس میں تلنگانہ اسٹیٹ چیف انفارمیشن کمشنر جی چندر شیکھر ریڈی اور دیگر انفارمیشن کمشنر نے شرکت کی۔

پونم اشوک گوڑ صاحب نے بار کونسل آف تلنگانہ کے چیئرمین کے عہدے کے لیے نامزدگی داخل کی

حیدرآباد، پونم اشوک گوڑ صاحب، رکن بار کونسل آف تلنگانہ اور چیئرمین، لیگل سیل۔ تلنگانہ پردیش کانگریس کمیٹی (TPCC) نے 2026-09-12 کو ہائی کورٹ آف تلنگانہ میں واقع بار کونسل آف تلنگانہ کے دفتر میں چیئرمین، بار کونسل آف تلنگانہ کے عہدے کے لیے اپنی نامزدگی داخل کی۔ اس موقع پر پونم انوپ گوڑ، پونم مہیش گوڑ، این۔ اوما شنکر، وینکٹیشور ریڈی، ای۔ دیوا، مومن روشن ضمیر، پی۔ راج شیکھر، پی۔ گنیش، وینو گوپال گوڑ، راج کمار، اشون، راجنیش، عنایت اللہ، آنند، سیلام، ستیہ نارائنا، ناگیش، سُرجن کے علاوہ دیگر وکلاء اور لیگل سیل۔TPCC کے ارکان موجود رہے اور پونم اشوک گوڑ صاحب سے اظہارِ یکجہتی کرتے ہوئے اپنی حمایت اور نیک خواہشات پیش کیں۔ پونم اشوک گوڑ صاحب کو بار کونسل آف تلنگانہ کی چیئرمین شپ کے لیے نامزدگی اور امیدواری پر دلی مبارکباد اور نیک خواہشات۔

اویسی نے پی ایم مودی پر زور دیا کہ

وہ اسرائیلی بستیوں سے سامان پر پابندی لگائیں۔

آل انڈیا مجلس اتحاد المسلمین (اے آئی ایم آئی ایم) کے سربراہ اور حیدرآباد کے رکن پارلیمنٹ اسدالدین اویسی نے وزیراعظم نریندر مودی پر زور دیا ہے کہ وہ مقبوضہ مغربی کنارے میں غیر قانونی اسرائیلی بستیوں میں پیدا ہونے والی اشیاء کی درآمد پر پابندی عائد کریں۔ جمعرات، 10 ستمبر کو ایکس کو لے کر، اویسی نے مودی کو ٹیگ کیا اور ہندوستانی حکومت سے مطالبہ کیا کہ وہ برطانیہ کی طرف سے اسرائیلی بستیوں کے ساتھ تجارت پر پابندیوں کے اعلان کے بعد اسی طرح کی کارروائی کرے۔ اویسی نے کہا کہ برطانوی اقدام اسرائیلی بستیوں کی مسلسل توسیع اور فلسطینیوں کے خلاف اسرائیلی آبادکاروں کے بڑھتے ہوئے تشدد کے پس منظر میں آیا ہے۔ انہوں نے کہا کہ 11 دیگر ممالک بھی اسرائیلی بستیوں سے سامان کی تجارت پر پابندیاں متعارف کرانے یا واپس لینے کے لیے تیار ہیں۔ ''ہندوستانی حکومت کو بھی جلد از جلد یہ قدم اٹھانا چاہئے،'' اویسی نے کہا، یہ دلیل دیتے ہوئے کہ اس طرح کا فیصلہ اسرائیل کے ''بڑھتے ہوئے ظلم'' کے طور پر بیان کردہ اس کی مخالفت میں اہم ہوگا۔ برطانیہ نے تصفیہ تجارتی پابندیوں کا اعلان کردیا۔ برطانیہ کے سیکرٹری خارجہ ایڈ ملی بینڈ نے منگل کو پارلیمنٹ میں ان اقدامات کا اعلان کرتے ہوئے کہا کہ برطانیہ مقبوضہ مغربی کنارے میں اسرائیلی بستیوں سے سامان کی درآمد پر پابندی لگائے گا۔ انہوں نے کہا کہ فرانس اور کینیڈا ابھی اسی طرح کی پابندیوں کا اعلان کریں گے جبکہ ڈنمارک، فن لینڈ، آئس لینڈ، پولینڈ، پرتگال اور سویڈن نے مزید اقدامات کی حمایت کا اظہار کیا ہے۔ ملی بینڈ نے ایک جامع پابندیوں کی حکومت کے منصوبوں کا بھی اعلان کیا، کہا کہ برطانیہ کو بستیوں کی توسیع کی مذمت سے آگے بڑھنے اور ٹھوس کارروائی کرنے کی ضرورت ہے۔ انہوں نے ہاؤس آف کامنز کو بتایا،'' آج ہم مزید مصائب اور دو ریاستی حل کی تباہی کے لیے کھڑے ہونے سے انکار کرتے ہیں۔'' برطانیہ، فرانس اور کینیڈا ان 12 ممالک میں شامل ہیں جنہوں نے مقبوضہ مغربی کنارے میں اسرائیلی بستیوں کے ساتھ تجارت پر پابندیوں کی حمایت کی ہے۔ ایک مشترکہ بیان میں، کینیڈا، ڈنمارک، فن لینڈ، فرانس، آئس لینڈ، آئرلینڈ، ناروے، پولینڈ، پرتگال، اسپین، سویڈن اور برطانیہ کے وزرائے خارجہ نے کہا کہ وہ بین الاقوامی قانون کے تحت غیر قانونی سمجھی جانے والی بستیوں سے سامان کی تجارت پر قومی اقدامات اور/ یا یورپی پابندیوں کی حمایت کرنے کا ارادہ رکھتے ہیں۔ وزراء نے کہا کہ مغربی کنارے میں اسرائیل کے اقدامات دو ریاستی حل کے امکانات کو کمزور کر رہے ہیں۔ اسرائیل نے برطانیہ کے خلاف اقدامات کا اعلان کردیا۔ اسرائیل نے برطانوی حکومت کے الزامات کو مسترد کرتے ہوئے جوابی اقدامات کا اعلان کیا۔ وزیر خارجہ گیڈون سار نے ملی بینڈ کے بیانات کو ''اشتعال انگیز جھوٹ'' قرار دیا اور کہا کہ اسرائیل مقبوضہ مشرقی یروشلم میں برطانیہ کا قونصل خانہ بند کردے گا، جو مغربی کنارے میں فلسطینی اتھارٹی کے لیے تسلیم شدہ ہے۔ سار نے مزید کہا کہ برطانیہ غزہ کے لیے امریکی قیادت میں رابطہ کاری مشن میں اپنی شرکت کھودے گا اور مغربی کنارے میں فلسطینی اتھارٹی کی افواج کی برطانوی تربیت روک دی جائے گی۔ انہوں نے مزید کہا کہ برطانیہ کے کچھ منتخب عہدیداروں اور دیگر شہریوں کے اسرائیل میں داخلے پر پابندی ہوگی۔ سار نے برطانوی لیبر حکومت پر اسرائیل کے خلاف منظم طریقے سے کام کرنے کا الزام لگایا اور کہا کہ یہ اقدامات اس کے'' دشمنانہ اقدامات'' کے جواب میں کیے جارہے ہیں۔

موسیٰ ندی کو خوبصورت بنانے کے پراجکٹ کی شدید مخالفت

موسیٰ جن آندولن کے ذریعہ مرکزی ماحولیاتی کمیشن سے رجوع ہونے کا فیصلہ

حیدرآباد۔ حکومت تلنگانہ کے موسیٰ ندی کو خوبصورت بنانے کے پراجکٹ کے خلاف جاری احتجاج میں شدت پیدا کرتے ہوئے اسے عوامی تحریک میں تبدیل کرنے کا اعلان کرتے ہوئے ''موسیٰ جن ا?ندولن'' نے ہر فورم پر اس پراجکٹ کی مخالفت کرنے کے علاوہ مرکزی ماحولیاتی کمیشن سے رجوع ہونے کے فیصلہ سے واقف کروایا اور دعویٰ کیا ہے کہ موسیٰ ندی کے طاس میں موجود اراضیات کو حاصل کرنے کے لئے حکومت موسیٰ ندی کو 'ٹھیمس'' کے طرز پر ترقی دینے کا دعویٰ کررہی ہے۔ اندرا پارک' دھرنا چوک پر منعقد ہونے والے احتجاجی پروگرام کے دوران موسی جن ا?ندولن کے ذمہ داروں نے حکومت پر الزام عائد کیا کہ ریاستی حکومت عالمی اداروں سے قرض حاصل کرنے کے لئے اس پراجکٹ پر کام کررہی ہے۔ موسیٰ ندی کے طاس میں بسے ہوئے غریب خاندانوں کو بے گھر کرتے ہوئے انہیں روزگار کی فراہمی کا وعدہ کیا جارہا ہے جو کہ گمراہ کن ہے۔ جن ا?ندولن کے احتجاجی پروگرام میں شریک افراد نے بتایا کہ ریاستی حکومت گمراہ کن پروپگنڈہ کے ذریعہ غریب عوام کے گھر حاصل کرنے کے بعد ان اراضیات کو اونچی تعمیرات کے لئے سرکردہ کمپنیوں کے حوالہ کرنے کے منصوبہ کے ساتھ کام کررہی ہے۔ محترمہ سندھیا نے بتایا کہ غریب بستیوں کو برباد کرتے ہوئے اس علاقہ کو ترقی دینے کے ساتھ ان بستیوں میں موجود بے روزگار نوجوانوں کو روزگار کا جھانسہ دیا جا رہا ہے۔ انہوں نے استفسار کیا کہ ا? یا کیا وہ ناخواندہ اور کم پڑھے لکھے نوجوانوں کو روز موسیٰ ریور پراجکٹ میں کاروبار کی اجازت دے گی یا سرکردہ تفریحی کمپنیوں کو یہ علاقہ حوالہ کرتے ہوئے ان کے پاس ان بے روزگار نوجوانوں کو ملازمت کی پیشکش کی جائے گی۔ محترمہ سجایا نے موسیٰ ندی کو خوبصورت بنانے کے پراجکٹ کے نام پر عوامی دولت کو تباہ کئے جانے کی تاریخ بیان کرتے ہوئے کہا کہ 1990 کی دہائی سے موسیٰ ندی کو خوبصورت بنانے کے پراجکٹ کے نام پر کروڑہا روپئے ندی میں بہائے جاچکے ہیں اور اب موجودہ حکومت لاکھوں کروڑ روپئے پر مشتمل پراجکٹ کے ساتھ عوامی مفادات کے علاوہ ماحولیات کو نقصان پہنچانے کی منصوبہ بندی کررہی ہے۔ انہوں نے الزام عائد کیا کہ ریاستی حکومت اس پراجکٹ میں'' گاندھی'' کے نام کا استعمال کرتے ہوئے گمراہ کررہی ہے۔ انہوں نے کہا کہ 'گاندھی سروور' کا نام دیتے ہوئے غریبوں کو بے گھر کرنے کی اجازت نہیں دی جاسکتی۔

بلٹ ٹرین پراجکٹ، بہادر گوڑہ میں اراضی حصول کا نوٹیفکیشن

حیدرآباد۔: رنگاریڈی ضلع انتظامیہ نے بلٹ ٹرین پراجکٹ کے لیے شمس آباد منڈل کے موضع بہادر گوڑہ میں 796.28 ایکر اراضی حاصل کرنے کا نوٹیفکیشن جاری کیا ہے۔ یہ انٹگریٹیڈ موبلٹی ہب کے نام سے شمس آباد ایرپورٹ کے قریب بہادر گوڑہ میں 796.28 ایکڑ اراضی حاصل کرے گا اور اس نے حال ہی میں اس سلسلے میں ابتدائی اطلاع جاری کی ہے

بلڈوزر کی گونج اور انصاف کی صدا

سہیل لقمان تیمی
گڈا، جھارکھنڈ

وطن عزیز ہندوستان میں گزشتہ چند برسوں سے بلڈوزر صرف ایک مشین کا نام نہیں رہا، بلکہ یہ لفظ ملکی سیاست، انتظامی کارروائی، قانون کی حکمرانی اور شہری حقوق کی بحث میں ایک خاص علامت بن کر ابھرا ہے، نفرت کے سوداگروں کی جانب سے بعض سیاست دانوں کو بلڈوزر بابا جیسے القاب سے متعارف کرانے کی کوششیں بھی اسی ماحول کا ایک پہلو ہیں، شاید ان ناعاقبت اندیشوں کو اندازہ نہیں کہ جب بلڈوزر کسی عمارت کی دیوار سے ٹکراتا ہے تو صرف اینٹیں اور پتھر نہیں بکھرتے، بلکہ ان کے ساتھ برسوں کی محنت، کئی خواب، بے شمار یادیں اور نہ جانے کتنے سوالات بھی ملبے تلے دب جاتے ہیں۔

واضح رہے کہ بہت سے افراد بلڈوزر کی کارروائی کو مسلمانوں کے خلاف کارروائی قرار دینے میں ذرہ برابر بھی تامل نہیں کرتے، حالاں کہ بلڈوزر کی کارروائی کو مسلمانوں کے خلاف کارروائی قرار دینا نہ علمی احتیاط ہے اور نہ صحافتی دیانت، کیوں کہ حکومتیں عموماً غیر قانونی تعمیرات، سرکاری اراضی پر تجاوزات، تعمیراتی قوانین کی خلاف ورزی یا دیگر انتظامی اسباب کو کارروائی کی بنیاد قرار دیتی ہیں۔

تاہم 2022ء کے بعد دہلی، مدھیہ پردیش، گجرات اور اتر پردیش سمیت بعض علاقوں میں ہونے والی بلڈوزر کی کارروائیوں پر انسانی حقوق کی تنظیموں نے سوالات ضرور اٹھائے اور یہ دعویٰ بھی کیا کہ ان میں مسلمانوں کی املاک بڑی تعداد میں متاثر ہوئیں اور بعض معاملات میں مناسب قانونی طریقہ کار کی پابندی نہیں کی گئی، ایمنسٹی انٹرنیشنل نے 2024ء کی اپنی ایک تحقیق میں 128 املاک اور کم از کم 617 متاثرین کا ذکر کیا تھا، جن میں مسلمانوں کی تعداد نمایاں تھی، تاہم یہ اعداد و شمار تنظیم کی تحقیق پر مبنی ہیں، انہیں سرکاری حتمی اعداد و شمار سمجھنا درست نہیں ہوگا۔

اسی پس منظر میں نومبر 2024ء میں سپریم کورٹ کا فیصلہ ایک اہم قانونی سنگ میل بن کر سامنے آیا، عدالت نے واضح کیا کہ صرف کسی شخص کے ملزم یا مشتبہ ہونے کی بنیاد پر اس کی جائیداد کو بلڈوز نہیں کیا جاسکتا، اگر کوئی تعمیر واقعی غیر قانونی ہو تو بھی کارروائی مقررہ قانونی طریقہ کار کے مطابق ہونی چاہیے، نوٹس دیا جائے، جواب کا موقع فراہم کیا جائے اور متاثرہ فریق کو قانونی چارہ جوئی کا پورا پورا حق حاصل ہو، گویا عدالت نے نہایت واضح انداز میں یہ اصول سامنے رکھا کہ بلڈوزر قانون کا نفاذ کرسکتا ہے، قانون کی جگہ ہرگز نہیں لے سکتا ہے۔

خیال رہے کہ 2026ء میں راجستھان کے سرحدی اضلاع، خصوصاً باڑمیر اور جیسلمیر میں سرحد سے متصل علاقوں میں غیر مجاز تعمیرات کے خلاف کارروائی نے اس بحث کو ایک بار پھر تازہ کر دیا، بعض مساجد اور مدارس بھی ان کارروائیوں سے متاثر ہوئے، انتظامیہ کی جانب سے سرکاری اراضی، مطلوبہ اجازتوں اور قومی سلامتی کو کارروائی کی بنیاد بتایا گیا، جب کہ بعض متاثرین اور درخواست گزاروں نے طریقہ کار اور قانونی تقاضوں کے حوالے سے اعتراضات اٹھائے، ایسے حساس معاملات میں کسی ایک فریق کے دعوے کو حتمی حقیقت سمجھ لینے کے بجائے زمین کی قانونی حیثیت، ملکیت کے کاغذات، تعمیراتی اجازت، سرکاری نوٹس، سماعت کے ریکارڈ اور عدالتی احکامات کو سامنے رکھنا ہی انصاف کا تقاضا ہے۔ اس صورتِ حال میں مسلمانوں کی اپنی ذمہ داریاں بھی کم اہم نہیں، مساجد، مدارس، اوقاف اور دیگر مذہبی املاک کے زمین و ملکیت کے کاغذات، رجسٹری، وقف ریکارڈ اور تعمیراتی اجازت نامے منظم اور محفوظ ہونے چاہئیں، قدیم عمارت کا تقدس اپنی جگہ، لیکن موجودہ قانونی نظام میں مضبوط دستاویز اور واضح قانونی حیثیت بھی ناگزیر ہے، صرف یہ کہنا کافی نہیں کہ فلاں مسجد یا مدرسہ بہت قدیم ہے یا نسلوں سے قائم ہے، اس کے قانونی ریکارڈ کی حفاظت بھی اسی قدر ضروری ہے، تنازع پیدا ہونے کے بعد صرف جذباتی احتجاج کے بجائے پہلے سے قانونی تیاری، مستند دستاویزات، ماہرین قانون سے مشاورت اور بروقت عدالتی رجوع زیادہ موثر راستہ ہے۔

لہٰذا ضرورت اس بات کی ہے کہ ہم بلڈوزر کے شور سے زیادہ انصاف کی صدا سنیں، غیر قانونی تعمیرات کا دفاع بھی نہ کریں اور قانونی حقوق کی پامالی پر خاموش بھی نہ رہیں، ریاست اپنے اختیارات کو قانون کی حدود میں استعمال کرے، شہری اپنے حقوق اور ذمہ داریوں سے آگاہ رہیں، مذہبی ادارے اپنے تمام قانونی ریکارڈ محفوظ رکھیں، سیاسی قوتیں نفرت اور اشتعال کی زبان سے گریز کریں اور میڈیا جذبات کے بجائے ثبوت و تحقیق کو اپنا معیار بنائے، یہی وہ راستہ ہے جو معاشرے کو تصادم سے نکال کر قانون کی حکمرانی کی طرف لے جاسکتا ہے۔

اب بھی دروازہ کھلا ہے

شاهد سنگارپوری
رابطہ: 8080193804

شہر کی گہما گہمی اپنے عروج پر تھی، بازار جگمگا رہے تھے، دکانوں کے شیشے روشنیوں سے دمک رہے تھے، موبائل کی اسکرینوں پر ایک دنیا آباد تھی اور اس دنیا میں ہر شخص اپنے اپنے خواب، خواہش، لالچ اور نمود و نمائش کی ڈور سے بندھا ہوا تھا مگر اسی ہجوم میں ایک تیرہ برس کی لڑکی آصفہ بھی تھی، جو اپنی ماں کی انگلی تھامے بازار سے گزر رہی تھی۔ آصفہ کی نگاہ کبھی رنگ برنگے لباسوں پر پڑتی، کبھی چمکتی ہوئی چیزوں پر، کبھی موبائل کی اسکرین پر چلتی ہوئی تصویروں پر اور کبھی ان لڑکیوں پر جو زمانے کی ہوا کے ساتھ اپنے لباس، انداز، اخلاق، کردار، گفتار، اور اطوار بدلتی چلی جارہی تھیں۔ اس کے دل میں بھی کبھی کبھی ایک ہلچل سی اٹھتی: "میں بھی ایسی بنوں، میرے پاس بھی ایسا موبائل ہو، میں بھی وہی کروں جو سب کرتے ہیں۔" ماں غریب تھی، مگر دل کی دولت سے مالا مال وہ بیٹی کی آنکھوں میں اٹھتے ہوئے سوال پڑھ لیتی اور نرمی سے کہتی: "بیٹی! ہر چمکتی ہوئی چیز روشنی نہیں ہوتی اور ہر کھلا ہوا راستہ منزل تک نہیں پہنچاتا۔" آصفہ ہنس دیتی مگر ماں کی بات دل کے کسی گوشے میں اتر جاتی۔ ایک روز اسکول سے واپسی پر اس کی سہیلیوں نے اسے ایک ایسی جگہ چلنے کو کہا جہاں جانے سے ماں نے صاف منع کیا تھا۔ "کچھ نہیں ہوگا، سب لڑکیاں جاتی ہیں، تم بھی چلو!" ایک نے کہا۔ دوسری نے ہنس کر اس کا ہاتھ پکڑ لیا۔ آصفہ کے قدم آگے بڑھنے لگے۔ ایک قدم...... پھر دوسرا قدم...... مگر اچانک نہ جانے کیوں اسے ماں کا چہرہ یاد آگیا وہی چہرہ جس پر زمانے کی سختیوں نے جھریاں تو ڈال دی تھیں مگر بیٹی کے لیے دعاؤں کی روشنی کم نہ ہوئی تھی۔ آصفہ رک گئی۔ "میں نہیں جاؤں گی۔" سہیلیوں نے مذاق اڑایا: "تم تو بڑی مولویہ بن گئی ہو!" کسی نے کہا: "زندگی میں کچھ تو مزہ کرو!" مریم خاموش رہی۔ وہ جانتی تھی کہ کبھی کبھی دوسروں کی ہنسی سے بچنے کے لیے اپنے رب کی ناراضی مول لینا بہت مہنگا سودا ہوتا ہے۔ وہ گھر کی طرف مڑ گئی۔ راستے میں مسجد سے عصر کی اذان بلند ہوئی: اللہ اکبر، اللہ اکبر! آصفہ کے قدم خود بخود رک گئے۔ یہ صرف اذان نہ تھی جیسے کسی نے شور بھرے شہر کے بیچ اس کے دل پر دستک دی ہو۔ اس نے دیکھا، سامنے دو راستے تھے ایک راستہ بازار کی رنگینیوں میں گم ہو رہا تھا، دوسرا مسجد کے قریب سے گزرتا ہوا خاموشی اور سکون کی طرف جارہا تھا۔ اسے یوں لگا جیسے دنیا کی ہر خواہش، ہر فتنہ، ہر غلط صحبت اس کے دامن کو اپنی طرف کھینچ رہی ہے۔ آصفہ نے اپنے دوپٹے کو سنبھالا اور مسجد کی طرف دیکھ کر دھیرے سے بولی: "یا اللہ! مجھے بچا لیجیے۔" یہ اس کی زندگی کی شاید سب سے مختصر دعا تھی، مگر دل کی گہرائی سے نکلی تھی۔ گھر پہنچ کر وہ سیدھی اپنی ماں کے پاس گئی اور اس کے گلے لگ کر پھوٹ پھوٹ کر رونے لگی۔ ماں نے گھبرا کر پوچھا: "کیا ہوا میری بچی؟" آصفہ نے روتے ہوئے کہا: "امی! آج مجھے لگا کہ میں آپ سے نہیں، اللہ تعالیٰ سے دور جا رہی ہوں۔" ماں کی آنکھیں بھیگ گئیں۔ اس نے بیٹی کے سر پر ہاتھ رکھا اور کہا: "بیٹی! انسان جب دنیا کی طرف ایک قدم بڑھاتا ہے تو کبھی کبھی واپسی بہت دشوار ہو جاتی ہے لیکن اگر اللہ تعالیٰ کی طرف ایک قدم بڑھا دے تو رحمت اس کے لیے کئی راستے کھول دیتی ہے۔" آصفہ نے پوچھا: "امی! اگر کوئی بہت دور چلا جائے تو؟ اگر اس سے بہت سی غلطیاں ہو جائیں تو؟ کیا اللہ تعالیٰ پھر بھی اسے معاف کر دے گا؟" ماں نے بیٹی کو سینے سے لگا لیا: "میری بچی! اللہ تعالیٰ سے دوری کی سب سے بڑی مصیبت گناہ نہیں بلکہ یہ سمجھ لینا ہے کہ اب واپسی ممکن نہیں۔ یاد رکھو اب بھی دروازہ کھلا ہے۔" آصفہ نے آنسو پونچھے، وضو کیا اور جائے نماز پر کھڑی ہوگئی۔ تکبیر کہی تو دل کی دنیا بدلنے لگی سجدے میں پہنچی تو برسوں کی نہیں مگر اپنی کم عمری کی تمام غفلتیں اسے پہاڑ جیسی محسوس ہونے لگیں۔ اس نے سسکی لے کر کہا: "یا اللہ! میں ابھی چھوٹی ہوں، مجھے راستے بہت نہیں آتے، دنیا مجھے اپنی طرف بلاتی ہے، کبھی خواہش کھینچتی ہے، کبھی سہیلیاں، کبھی موبائل، کبھی لوگوں کی باتیں آپ مجھے اپنی طرف بلا لیجیے، کیونکہ میں خود راستہ نہیں پہچان سکتی۔" سجدہ طویل ہوتا گیا اور آنسو جائے نماز کو تر کرتے گئے۔ اسی لمحے باہر مغرب کی اذان شروع ہوگئی۔ حی علی الصلاۃ...... حی علی الفلاح! آصفہ کو محسوس ہوا جیسے پوری کائنات اسے پکار رہی ہے: "آؤ، کامیابی کی طرف آؤ!" اس نے سر اٹھایا تو آنکھوں میں وہ چمک تھی جو کسی مہنگی چیز، کسی مصنوعی روشنی یا دنیاوی کامیابی سے پیدا نہیں ہوتی یہ دل کے اندر جلنے والے چراغ کی روشنی تھی۔ اگلے دن آصفہ نے اپنی سہیلیوں کو بھی سمجھایا: "ہمیں دنیا چھوڑنے کو نہیں کہا گیا، مگر دنیا کو اپنے دل کا مالک بنانے سے ضرور بچنا ہے۔ ہم پڑھیں گے، آگے بڑھیں گے، خواب دیکھیں گے مگر اپنے رب العالمین کو بھول کر نہیں۔" ایک سہیلی نے طنز کیا: "تمہیں یہ سب کس نے سکھایا؟" آصفہ نے مسکرا کر کہا: "ایک دن میں نے صرف اللہ کی طرف ایک قدم بڑھایا تھا، باقی راستہ اس نے خود دکھا دیا۔" پھر اس نے آسمان کی طرف دیکھا سورج ڈوب رہا تھا مگر افق پر روشنی باقی تھی۔ آصفہ کے دل میں خیال آیا کہ شاید توبہ بھی ایسی ہی ہوتی ہے، آدمی سمجھتا ہے کہ اس کی زندگی میں اندھیرا چھا گیا مگر اللہ تعالیٰ کی رحمت افق پر کہیں نہ کہیں روشنی کا دروازہ کھول دیتی ہے۔ شرط صرف اتنی ہے کہ انسان ضد چھوڑ دے، نفس کی لگام کھینچ لے، گناہ سے منہ موڑ لے اور سچے دل سے اپنے رب کی طرف پلٹ آئے۔ دنیا کے ہاتھ دامن کھینچتے رہیں، خواہشیں پکارتی رہیں، فتنوں کے بازار سجے رہیں، زمانہ لاکھ بہکائے، مگر جس دل کو اپنے رب کی پہچان نصیب ہو جائے، وہ تنہا ہو کر بھی محفوظ رہتا ہے۔ آصفہ نے اپنے ننھے سے دل میں عہد کیا کہ اب جب کبھی دنیا اسے اپنی رنگین ڈوریوں سے اپنی طرف کھینچے گی، وہ گھبرائے گی نہیں، اپنے قدم روک لے گی اور صرف ایک کام کرے گی: اللہ تعالیٰ کی طرف ایک قدم بڑھائے گی۔ کیونکہ اسے اب یقین ہو چکا تھا کہ بندے کے لیے واپسی کا راستہ کبھی بالکل ختم نہیں ہوتا دروازہ شاید ہماری غفلت سے نظروں سے اوجھل ہو جائے، مگر رحمتِ الٰہی کا دروازہ اب بھی کھلا ہے۔

اسلام میں 7-7-7 پیرنٹنگ فریم ورک اور تعمیر قوم میں اس کا کردار

مصطفیٰ کمال
رحمانی
صاحب گنج جھارکھنڈ

قارئین کرام، اسلام میں بچوں کی پرورش کو ایک بہت بڑی امانت اور ذمہ داری مانا گیا ہے، والدین نہ صرف اپنے بچوں کی ضروریات پوری کرتے ہیں، بلکہ ان کی مذہبی، اخلاقی اور سماجی پرورش کے بھی ذمہ دار ہوتے ہیں، آج کے دور میں جہاں خاندانی نظام کئی چیلنجز سے دوچار ہے وہیں اسلامی تعلیمات ایک متوازن اور جامع رہنمائی فراہم کرتی ہیں، انہی رہنما اصولوں میں ایک اہم تصور "7-7-7 فریم ورک" کا ہے جو بچوں کی پرورش کے تین اہم مراحل کو بیان کرتا ہے، یہ فریم ورک نہ صرف ایک اچھے انسان کی تعمیر میں مدد کرتا ہے، بلکہ ایک مضبوط قوم اور ذمہ دار معاشرے کی بنیاد بھی رکھتا ہے، بچپن کے تین اہم مراحل (7-7-7) فریم ورک 7-7-7 فریم ورک کے مطابق بچے زندگی کو تین حصوں میں تقسیم کیا جاتا ہے،

پہلے سات سال، پیار اور شفقت کا وقت، دوسرے سات سال نظم وضبط اور تعلیم کا دور

تیسرے، سات سال، مشورہ، رہنمائی اور اعتماد کا دور،
یہ تقسیم انسانی نفسیات اور فطری نشوونما کے بالکل عین مطابق ہے،

پہلا مرحلہ شفقت اور محبت (0 سے 7 سال) پہلے سات سال بچے کی زندگی کے سب سے حساس اور اہم ہوتے ہیں اس دور میں بچے کو بھرپور پیار، توجہ اور تحفظ کی ضرورت ہوتی ہے اسلام ہمیں سکھاتا ہے کہ بچوں کے ساتھ نرمی، شفقت اور محبت کا برتاؤ کیا جائے پیغمبر محمد صلی اللہ علیہ وسلم بچوں سے بہت پیار کرتے تھے، انہیں گود میں اٹھاتے، لاڈ پیار کرتے اور ان کے ساتھ کھیلتے تھے اس مرحلے میں بچے کے اندر خود اعتمادی، محبت اور جذباتی استحکام پروان چڑھتا ہے اگر اس وقت بچے کو پیار اور توجہ نہ ملے تو وہ عدم تحفظ اور ذہنی تناؤ کا شکار ہوسکتا ہے جو اس کی شخصیت پر منفی اثر ڈالتا ہے،

دوسرا مرحلہ، نظم وضبط اور اخلاقی تعلیم (7 سے 14 سال)
دوسرے سات سالوں میں بچے کی پرورش کا طریقہ بدل جاتا ہے، اب اس میں نظم وضبط ذمہ داری اور اخلاقی تعلیم کو شامل کیا جاتا ہے اسلام میں سات سال کی عمر میں نماز کی تعلیم دینے کی ہدایت دی گئی ہے، جو اس بات کا اشارہ ہے کہ اس عمر میں بچے کو نظم وضبط سکھانا ضروری ہے اس مرحلے میں والدین کو چاہیے کہ وہ بچوں کو صحیح اور غلط کی پہچان کروائیں، ایمانداری، سچائی، صبر اور برداشت جیسی خوبیاں ان میں پیدا کریں یہی وہ وقت ہے جب بچے میں سماجی اقدار قومی شعور حب الوطنی اور اجتماعی ذمہ داری کا احساس پیدا کیا جاسکتا ہے۔

تیسرا مرحلہ، دوستی اور رہنمائی (14 سے 21/سال)
تیسرے سات سالوں میں بچے کو ایک دوست کی طرح سمجھا جاتا ہے اس مرحلے میں اسے آزادی دی جاتی ہے اس کی رائے کو اہمیت دی جاتی ہے اور اسے زندگی کے فیصلوں میں شامل کیا جاتا ہے یہ جوانی کا وقت ہوتا ہے جہاں شخصیت پوری طرح پروان چڑھ رہی ہوتی ہے خ اگر والدین اس دور میں زیادہ سختی کریں تو بچہ بغاوت یا دوری اختیار کرسکتا ہے لیکن اگر اسے اعتماد دیا جائے تو وہ ایک ذمہ دار اور باشعور شہری بن سکتا ہے،

تعمیر قوم اور معاشرے پر اس کے اثرات یہ 7-7-7 فریم ورک صرف انفرادی پرورش تک محدود نہیں ہے، بلکہ اس کے اثرات قومی سطح پر بھی پڑتے ہیں، ایک ایسا بچہ جو پیار نظم وضبط اور اعتماد کے ساتھ بڑا ہوتا ہے، وہ ایک اخلاقی، ذمہ دار اور باشعور شہری بنتا ہے یہی لوگ آگے چل کر معاشرے اور قوم کی تعمیر میں اہم کردار ادا کرتے ہیں،

مضبوط معاشرے کی بنیاد، تعمیر قوم میں اس فریم ورک کا بہت اہم کردار ہے اگر ہر گھر میں بچوں کی پرورش اسلامی اصولوں کے مطابق کی جائے تو پورا معاشرہ خود بخود سدھر سکتا ہے، ایسے لوگ جو بچپن سے ہی سچائی، انصاف، ذمہ داری اور دوسروں کے حقوق کا احترام کرنا سیکھتے ہیں وہ بدعنوانی، ناانصافی اور سماجی برائیوں سے دور رہتے ہیں اس طرح ایک صاف ستھرا اور مضبوط معاشرہ بنتا ہے

حب الوطنی اور قومی یکجہتی، جب بچوں کو شروع سے ہی اپنے ملک سے محبت، اس کے قوانین کا احترام اور اس کی ترقی میں اپنا حصہ ڈالنے کی تعلیم دی جاتی ہے تو وہ ایک سچے محب وطن شہری بنتے ہیں اسلام ہمیں اپنے ملک کے تئیں وفاداری امن قائم رکھنے اور انصاف کو فروغ دینے کی تعلیم دیتا ہے اگر نئی نسل ان اصولوں کو اپنائے، تو ملک ترقی کی راہ پر تیزی سے آگے بڑھ سکتا ہے،

سماجی ہم آہنگی، اس کے علاوہ، یہ فریم ورک سماجی ہم آہنگی کو بھی فروغ دیتا ہے جب لوگ اخلاقی اقدار کے ساتھ بڑے ہوتے ہیں تو وہ دوسروں کے مذہب، ثقافت اور نظریات کا احترام کرنا سیکھتے ہیں اس سے معاشرے میں امن رواداری اور بھائی چارہ بڑھتا ہے جو کسی بھی ملک کی ترقی کے لیے ضروری ہے خلاصہ

آج کے دور میں جہاں سوسال میڈیا، مادیت پرستی اور اخلاقی زوال جیسے مسائل بڑھ رہیں وہاں 7-7-7 فریم ورک ایک موثر حل پیش کرتا ہے، یہ والدین کو ایک واضح سمت دیتا ہے کہ وہ اپنے بچوں کی پرورش کیسے کریں، تاکہ وہ صرف ایک اچھے مسلمان بلکہ ایک اچھے شہری بھی بن سکیں آخر میں یہ کہنا درست ہوگا کہ اگر ہم اپنی آنے والی نسلوں کو مضبوط اخلاقی اور محب وطن بنانا چاہتے ہیں تو ہمیں ان اصولوں پر مبنی اس پرورش کے ماڈل کو اپنانا ہوگا کیونکہ ایک اچھا انسان ہی ایک اچھا معاشرہ ہی ایک مضبوط اور کامیاب قوم بنیاد ہوتا ہے۔

مراٹھی کے نام پر سیاست، مگر مراٹھی اسکولوں کا مستقبل کیوں تاریک؟

ممبئی میں ایک دہائی کے دوران سو سے زیادہ مراٹھی میڈیم اسکول ختم: ریاست میں چار برسوں میں 624 اسکولوں کی کمی - زبان کے تحفظ کے نعروں اور تعلیمی حقیقت کے درمیان بڑھتا ہوا تضاد

جاوید جمال الدین
9867647741

مراٹھی زبان کے تحفظ اور فروغ کی بات مہاراشٹر کی سیاست میں نئی نہیں ہے۔ کبھی مراٹھی کو روزگار اور سرکاری معاملات سے جوڑنے کی مہم چلتی ہے، کبھی ممبئی میں آٹو رکشا اور ٹیکسی ڈرائیوروں کے لیے مراٹھی جاننے کی شرط پر زور دیا جاتا ہے اور کبھی مراٹھی شناخت کو سیاسی بحث کا مرکز بنا دیا جاتا ہے۔ حالیہ دنوں بالی ووڈ اداکار سنجے دت کے ایک جملے نے بھی اسی بحث کو دوبارہ زندہ کر دیا۔ تھانے میں دہی ہانڈی کے ایک پروگرام میں انہوں نے مذاقاً کہا کہ یروڈا جیل میں چھ برس رہنے کے باوجود وہ مراٹھی نہیں سیکھ سکے۔ اس پر اعتراض ہوا تو انہوں نے وزیر ٹرانسپورٹ پرتاپ سرنائک سے بات کرکے وضاحت کی، معذرت کی اور کہا کہ وہ مراٹھی جانتے اور بولتے ہیں اور ان کا خاندان ممبئی اور مہاراشٹر سے گہرا تعلق رکھتا ہے۔

یہ واقعہ اپنی جگہ معمولی یا ایک اداکار کے مذاق کا معاملہ ہوسکتا ہے، لیکن اس نے ایک بڑے سوال کو پھر سامنے لا کھڑا کیا ہے: اگر مراٹھی واقعی مہاراشٹر کی شناخت، ثقافت اور روزمرہ زندگی کی بنیادی زبان ہے تو اس کی سب سے مضبوط بنیاد یعنی مراٹھی میڈیم اسکول مسلسل کیوں کم ہو رہے ہیں؟ ایک طرف حکومت اور سیاسی جماعتیں مراٹھی بولنے پر زور دے رہی ہیں، دوسری طرف والدین خود اپنے بچوں کو مراٹھی میڈیم سے دور لے جا رہے ہیں۔ کیا صرف ڈرائیوروں، دکانداروں یا دوسرے شعبوں کے کارکنوں سے مراٹھی سیکھنے کا مطالبہ کرکے زبان کو محفوظ رکھا جاسکتا ہے، جبکہ مراٹھی معاشرے کا ایک بڑا حصہ اپنے بچوں کے لیے انگریزی میڈیم کو ترجیح دے رہا ہے؟

دستیاب اعداد و شمار اس تضاد کو مزید نمایاں کرتے ہیں۔ ممبئی میں 2019-20 کے دوران مراٹھی میڈیم کے تقریباً 461 اسکول تھے، جو 2024-25 تک کم ہو کر 421 رہ گئے۔ یعنی صرف چند برسوں میں 40 اسکول کم ہو گئے۔ طلبہ کی تعداد میں کمی اس سے بھی زیادہ تشویش ناک ہے۔ ایک وقت میں مراٹھی میڈیم اسکولوں میں ایک لاکھ 35 ہزار سے زائد طلبہ زیر تعلیم تھے، لیکن بعد کے اعداد و شمار میں یہ تعداد تقریباً 85 ہزار 469 تک پہنچ گئی۔ یعنی تقریباً 50 ہزار طلبہ کا فرق پیدا ہو گیا۔

ممبئی میونسپل کارپوریشن کے اسکولوں کی صورت حال بھی اسی طرف اشارہ کرتی ہے۔ 2014-15 میں بی ایم سی کے مراٹھی میڈیم اسکولوں کی تعداد تقریباً 368 تھی، جو بعد کے برسوں میں کم ہو کر 262 کے آس پاس رہ گئی۔ جنوبی ممبئی سمیت مختلف علاقوں میں کئی مراٹھی اسکول بند ہو چکے ہیں یا طلبہ کی انتہائی کم تعداد کے ساتھ محض نام باقی ہے۔ دادر کے نبار گروجی ودیالیہ کا حوالہ بھی اس بحران کی تصویر پیش کرتا ہے، جہاں چھٹی سے دسویں جماعت تک طلبہ کی تعداد انتہائی کم رہ گئی تھی اور اسکول کو اس وقت تک جاری رکھنے کی کوشش کی جا رہی تھی جب تک آخری طالب علم دسویں جماعت مکمل نہ کر لے۔

مرکزی سطح پر دستیاب اعداد و شمار میں بھی ممبئی کے مراٹھی میڈیم اسکولوں کی تعداد میں کمی کا ذکر سامنے آیا ہے۔ 2019-20 میں جہاں ایسے اسکولوں کی تعداد تقریباً 380 بتائی گئی، وہیں 2023-24 میں یہ تعداد 340 کے قریب رہ گئی۔ طلبہ کی تعداد بھی تقریباً ایک لاکھ 25 ہزار سے گھٹ کر 98 ہزار کے آس پاس پہنچ گئی۔ ریاستی سطح پر بھی صورت حال مختلف نہیں۔ گزشتہ چند برسوں میں سینکڑوں مراٹھی میڈیم اسکولوں کے کم ہونے یا بند ہونے کی اطلاعات ہیں، جبکہ اسی دوران سیکڑوں نئے انگریزی میڈیم اسکول قائم ہوئے۔ ایک رپورٹ کے مطابق چار برسوں میں مراٹھی میڈیم کے 624 اسکول کم ہوئے جبکہ 426 نئے انگریزی میڈیم اسکول شامل ہوئے۔

یہ محض اعداد نہیں ہیں۔ ہر بند ہونے والا اسکول ایک عمارت سے زیادہ معنی رکھتا ہے۔ اس کے ساتھ ایک محلہ، ایک استاد، کئی نسلوں کی یادیں اور زبان سے جڑا ایک سماجی ماحول بھی کمزور ہوتا ہے۔ اسکول زبان کی صرف تدریس گاہ نہیں ہوتا بلکہ زبان کے استعمال، تہذیب، ادب اور سماجی رشتوں کو زندہ رکھنے کا بنیادی ادارہ بھی ہوتا ہے۔ اگر مراٹھی میڈیم اسکول مسلسل کم ہوتے رہے تو محض سرکاری دفاتر یا ٹرانسپورٹ کے شعبے میں مراٹھی کے استعمال سے زبان کا مستقبل محفوظ نہیں کیا جاسکے گا۔

اصل سوال یہ ہے کہ والدین مراٹھی میڈیم سے کیوں دور ہو رہے ہیں؟ اس کا جواب صرف یہ نہیں ہوسکتا کہ والدین اپنی مادری زبان کو پسند نہیں کرتے۔ حقیقت زیادہ پیچیدہ ہے۔ متوسط اور نچلے متوسط طبقے کے بہت سے والدین سمجھتے ہیں کہ انگریزی میڈیم سے ان کے بچوں کو اعلیٰ تعلیم، روزگار، ٹیکنالوجی، کارپوریٹ شعبے اور عالمی مواقع تک رسائی آسان ہوگی۔ آج والدین کے سامنے مسابقت کا ایسا ماحول ہے جہاں زبان کا انتخاب اکثر جذبات نہیں بلکہ مستقبل کے معاشی امکانات کو دیکھ کر کیا جاتا ہے۔

اس صورت حال میں حکومت اگر مراٹھی میڈیم اسکولوں کو مضبوط بنانا چاہتی ہے تو اسے پہلے یہ اعتماد پیدا کرنا ہوگا کہ مراٹھی میڈیم میں پڑھنے والا بچہ بھی جدید تعلیم، سائنس، ٹیکنالوجی، میڈیکل، انجینئرنگ، مینجمنٹ اور عالمی سطح کے مواقع حاصل کرسکتا ہے۔ صرف یہ کہنا کافی نہیں کہ مراٹھی ہماری زبان اور ہماری شناخت ہے۔ والدین یہ بھی پوچھیں گے کہ میرے بچے کی تعلیم، روزگار اور مستقبل کی ضمانت کہاں ہے؟

یہاں مراٹھی میڈیم اسکولوں کے معیار کا سوال بھی اہم ہے۔ بہت سے سرکاری اسکولوں میں عمارت، بنیادی سہولیات، اساتذہ کی دستیابی، جدید تدریسی وسائل اور اسکول کے ماحول کے حوالے سے مسائل رہے ہیں۔ دوسری طرف کئی نجی انگریزی میڈیم اسکول خوبصورت عمارت، ایئرکنڈیشنڈ کلاس روم، جدید سائنس لیبارٹری، کمپیوٹر سہولیات، اسمارٹ کلاس اور بہتر تشہیر کے ذریعے والدین کو اپنی طرف متوجہ کرتے ہیں۔ والدین جب دونوں اسکولوں کا موازنہ کرتے ہیں تو وہ صرف زبان نہیں دیکھتے بلکہ پورا تعلیمی ماحول دیکھتے ہیں۔

یہ بھی درست ہے کہ مراٹھی میڈیم کے تمام اسکول پسماندہ نہیں ہیں۔ کئی سرکاری اسکولوں میں اٹل ٹنکرنگ لیب، روبوٹکس، کمپیوٹر اور دیگر جدید سہولیات موجود ہیں۔ بعض مراٹھی میڈیم اسکولوں کا دسویں جماعت کا نتیجہ بھی قابل ذکر رہا ہے۔ لیکن مسئلہ یہ ہے کہ ان کامیابیوں کو بڑے پیمانے پر والدین تک پہنچانے کی مؤثر کوشش کم نظر آتی ہے۔ اگر ایک اچھا مراٹھی میڈیم اسکول خاموشی سے کام کرتا رہے اور اس کے مقابلے میں ایک نجی اسکول مسلسل اپنی تشہیر کرتا رہے تو والدین کا جھکاؤ فطری طور پر دوسری طرف ہوسکتا ہے۔

مراٹھی زبان کے تحفظ کے نام پر سیاست کرنے والی جماعتوں کو اس بنیادی سوال کا جواب دینا ہوگا کہ مراٹھی اسکولوں کی حالت بہتر بنانے کے لیے انہوں نے عملی طور پر کیا کیا؟ یہ سوال صرف اقتدار میں موجود جماعت سے نہیں بلکہ اپوزیشن اور ان تمام سیاسی قوتوں سے بھی ہے جو مراٹھی شناخت کو اپنی سیاست کا اہم حصہ قرار دیتی ہیں۔ اگر مراٹھی واقعی سیاسی اور ثقافتی شناخت کا مرکز ہے تو اس شناخت کا پہلا مورچہ اسکول ہونا چاہیے، نہ کہ صرف سڑک پر زبان کے استعمال کا مطالبہ۔

حال ہی میں آٹو رکشا اور ٹیکسی ڈرائیوروں کے لیے مراٹھی جاننے کے معاملے پر بھی بحث ہوئی۔ وزیر ٹرانسپورٹ پرتاپ سرنائک نے مراٹھی کے استعمال اور ڈرائیوروں کے زبان سیکھنے پر زور دیا، جبکہ وزیر اعلیٰ دیویندر فڑنویس نے فوری سخت کارروائی کے بجائے ڈرائیوروں کو مراٹھی سیکھنے کے لیے ایک سال کی مہلت دینے کی بات کی۔

مقامی زبان سیکھنے کی ترغیب میں کوئی برائی نہیں۔ کسی بھی ریاست میں وہاں کی زبان جاننا سماجی رابطے اور روزمرہ زندگی کے لیے فائدہ مند ہے۔ لیکن زبان کے فروغ اور زبان کے نام پر خوف پیدا کرنے کے درمیان ایک واضح لکیر ہونی چاہیے۔ ابو عاصم اعظمی جیسے رہنماؤں کا بھی موقف رہا ہے کہ مقامی زبان سیکھنے میں کوئی قباحت نہیں، لیکن تشدد، دھمکی یا دباؤ کے ذریعے زبان مسلط کرنا قابل قبول نہیں۔ یہ اصول صرف مراٹھی کے لیے نہیں بلکہ ہر زبان کے لیے ہونا چاہیے۔

مراٹھی کے مسئلے کو صرف غیر مراٹھی بولنے والوں کے خلاف شکایت بنا دینا بھی حقیقت سے فرار ہوگا۔ اس سے زیادہ اہم سوال یہ ہے کہ مراٹھی معاشرے کے اندر خود مراٹھی زبان کا مقام کیا رہ گیا ہے؟ اگر مراٹھی گھرانے اپنے بچوں کو بڑے پیمانے پر انگریزی میڈیم اسکولوں میں بھیج رہے ہیں، اگر مراٹھی پڑھنے والے طلبہ کی تعداد کم ہو رہی ہے، اگر کئی مراٹھی اسکول طلبہ کی کمی سے دوچار ہیں، تو اس کے لیے صرف غیر مراٹھی آبادی کو ذمہ دار قرار دینا مسئلے کو غلط سمت میں لے جائے گا۔

زبان صرف سرکاری حکم سے زندہ نہیں رہتی۔ زبان گھر میں بولی جاتی ہے، اسکول میں پڑھی جاتی ہے، کتاب میں زندہ رہتی ہے، تھیٹر کے اسٹیج پر سنائی دیتی ہے، فلموں اور ٹیلی ویژن میں استعمال ہوتی ہے، بازار اور محلے میں برتی جاتی ہے اور نئی نسل کی تخلیقی زندگی کا حصہ بنتی ہے۔ مراٹھی کو اسی مکمل دائرے میں مضبوط کرنے کی ضرورت ہے۔

مراٹھی ادب کی تاریخ ہندوستانی زبانوں کے ادب میں انتہائی اہم مقام رکھتی ہے۔ سنت روایت سے لے کر جدید مراٹھی ناول، افسانہ، شاعری، ڈراما اور تنقید تک ایک وسیع ادبی سرمایہ موجود ہے۔ مراٹھی کے عظیم ادیبوں اور شاعروں نے سماجی اصلاح، ذات پات، غربت، عورت، مزدور، شہری زندگی اور انسانی رشتوں جیسے موضوعات پر گہرا کام کیا۔ یہ ادب صرف مراٹھی بولنے والوں کا سرمایہ نہیں بلکہ ہندوستان کی مشترکہ تہذیبی میراث کا حصہ ہے۔

اسی طرح مراٹھی اسٹیج نے بھی زبان کو زندہ رکھنے میں تاریخی کردار ادا کیا ہے۔ مراٹھی تھیٹر کی روایت نے نہ صرف بہترین ڈرامہ نگار اور اداکار پیدا کیے بلکہ سماجی اور سیاسی سوالات کو عوام تک پہنچانے کا ایک مؤثر ذریعہ بھی فراہم کیا۔ ممبئی اور مہاراشٹر کے تھیٹروں میں آج بھی مراٹھی ڈرامے پیش ہوتے ہیں، لیکن نئی نسل کو اس ادبی اور تھیٹر روایت سے جوڑنے کے لیے مزید منظم کوشش کی ضرورت ہے۔

یہاں ایک اور سوال پیدا ہوتا ہے: کیا مراٹھی ادب اور تھیٹر کی مقبولیت کو اسکول کی تعلیم سے جوڑا جاسکتا ہے؟ کیوں نہ مراٹھی میڈیم اسکولوں میں جدید سائنس اور ٹیکنالوجی کے ساتھ مراٹھی ادب، تھیٹر، فلم، صحافت اور تخلیقی تحریر کو بھی نئی شکل میں متعارف کرایا جائے؟ بچوں کو یہ احساس دلانا ہوگا کہ مراٹھی صرف امتحان کا مضمون نہیں بلکہ تخلیق، روزگار، اظہار اور شناخت کی زبان بھی ہوسکتی ہے۔

زبان کے تحفظ کا مطلب یہ نہیں کہ دوسری زبانوں سے دشمنی کی جائے۔ مہاراشٹر میں اردو، ہندی، گجراتی، تمل، تیلگو، کنڑ، ملیالم اور دیگر زبانیں بولنے والے لوگ دہائیوں سے رہتے آئے ہیں۔ ممبئی کی اصل طاقت ہی اس کی کثیر لسانی اور کثیر ثقافتی شناخت ہے۔ مراٹھی کو مضبوط کرنے کا بہترین راستہ دوسری زبانوں کو کمزور کرنا نہیں بلکہ مراٹھی کو اتنا مضبوط، جدید اور باوقار بنانا ہے کہ لوگ اسے سیکھنا اپنے لیے فائدہ سمجھیں۔

اس مقصد کے لیے حکومت کو مراٹھی میڈیم اسکولوں کا جامع آڈٹ کرنا چاہیے۔ کہاں طلبہ کم ہوئے، کہاں اساتذہ کی کمی ہے، کہاں عمارت خراب ہے، کہاں والدین اسکول تبدیل کر رہے ہیں اور کہاں اسکول کامیاب ہے، اس کا باقاعدہ مطالعہ ہونا چاہیے۔ کامیاب مراٹھی اسکولوں کے ماڈل کو دوسرے اسکولوں تک پہنچایا جائے۔ اساتذہ کی خالی اسامیاں جلد پُر کی جائیں، جدید لیب اور ڈیجیٹل سہولیات فراہم کی جائیں اور مراٹھی میڈیم کے طلبہ کے لیے اعلیٰ تعلیم اور روزگار کے راستوں کی واضح معلومات فراہم کی جائیں۔

ساتھ ہی حکومت کو یہ بھی سوچنا ہوگا کہ صرف مراٹھی میڈیم ہی کیوں؟ مراٹھی کو انگریزی میڈیم اسکولوں میں بھی مضبوط مضمون کے طور پر پڑھانے کی پالیسی بنائی جاسکتی ہے۔ اگر ایک بچہ انگریزی میڈیم میں پڑھ رہا ہے تو اس کا مطلب یہ نہیں کہ اسے مراٹھی سے محروم کر دیا جائے۔ اسے اچھی مراٹھی پڑھائی، لکھی اور بولی جائے تو زبان کا دائرہ وسیع ہوسکتا ہے۔

مراٹھی زبان کے فروغ کی سب سے مؤثر مہم شاید وہ ہوگی جس میں کسی کو دھمکایا نہ جائے بلکہ مراٹھی کی کشش پیدا کی جائے۔ مراٹھی ادب کی نئی کتابیں بچوں تک پہنچائی جائیں، اچھے مراٹھی ڈرامے اسکولوں تک لائے جائیں، فلم اور ڈیجیٹل پلیٹ فارم پر معیاری مراٹھی مواد تیار کیا جائے، مراٹھی میں سائنس اور جدید ٹیکنالوجی کا مواد آسان زبان میں دستیاب ہو اور نوجوانوں کو یہ بتایا جائے کہ مادری یا علاقائی زبان میں تعلیم حاصل کرنا جدید دنیا سے کٹ جانا نہیں ہے۔

یہ بھی دیکھنا ہوگا کہ مراٹھی معاشرہ خود اپنی زبان کے ساتھ کس قدر سنجیدہ ہے۔ اگر والدین اپنے بچوں سے گھر میں مراٹھی کم بولیں، مراٹھی کتابیں نہ خریدیں، مراٹھی اخبار اور رسائل نہ پڑھیں اور بچوں کو مراٹھی ادب و تھیٹر سے دور رکھیں تو صرف سیاسی تقریریں زبان کو زندہ نہیں رکھ سکتیں۔ زبان کے تحفظ کی پہلی ذمہ داری اس کے بولنے والوں پر ہی عائد ہوتی ہے۔

سنجے دت کے واقعے کو بھی اسی وسیع تناظر میں دیکھا جانا چاہیے۔ کسی اداکار کا مذاق یا کسی شخص کی ایک غلط فہمی زبان کے مستقبل کا مسئلہ نہیں۔ اصل مسئلہ یہ ہے کہ کیا ہم مراٹھی کو ایسی زبان بنا رہے ہیں جسے لوگ محبت، ضرورت اور فخر کے ساتھ سیکھیں؟ اگر جواب ہاں میں ہے تو پھر زبان کے لیے سختی کی ضرورت کم ہو جائے گی۔ اور اگر جواب نہیں ہے تو محض سیاسی نعروں سے مسئلہ حل نہیں ہوگا۔

مراٹھی کے نام پر سیاست کرنے والوں کے سامنے آج ایک تاریخی موقع ہے۔ وہ زبان کو شناخت کی کشمکش سے نکال کر تعلیم، ادب، تھیٹر، روزگار، ٹیکنالوجی اور جدید شہری زندگی سے جوڑ سکتے ہیں۔ انہیں یہ طے کرنا ہوگا کہ مراٹھی کا مستقبل صرف سائن بورڈ، سرکاری حکم یا سیاسی جلسے میں ہے یا اسکول کے کلاس روم، گھر کی گفتگو، کتاب، تھیٹر اور نئی نسل کے خوابوں میں بھی۔

آخرکار زبان کسی حکم سے نہیں، استعمال سے زندہ رہتی ہے۔ مراٹھی کو اگر واقعی مہاراشٹر کی زندگی کی زبان بنائے رکھنا ہے تو اس کے اسکول بچانے ہوں گے، اساتذہ مضبوط کرنے ہوں گے، ادب کو نئی نسل تک پہنچانا ہوگا، مراٹھی تھیٹر کو نئے سامعین دینا ہوں گے، جدید علوم کا خزانہ مراٹھی میں پیدا کرنا ہوگا اور سب سے بڑھ کر مراٹھی معاشرے کے اندر اپنی زبان کے بارے میں اعتماد پیدا کرنا ہوگا۔

آج سوال یہ نہیں کہ ایک آٹو ڈرائیور مراٹھی جانتا ہے یا نہیں۔ اس سے کہیں بڑا سوال یہ ہے کہ کل مراٹھی میڈیم اسکول میں کتنے بچے ہوں گے، مراٹھی میں کتنی کتابیں پڑھی جائیں گی، کتنے نوجوان مراٹھی میں تخلیق کریں گے اور کتنے گھر اپنے بچوں کے مستقبل کے ساتھ مراٹھی زبان کو بھی جوڑیں گے۔ اگر ان سوالوں کا جواب تلاش نہ کیا گیا تو مراٹھی کے تحفظ کے بلند دعوے اور زمین پر بند ہوتے مراٹھی اسکولوں کے درمیان کا تضاد مزید گہرا ہوتا جائے گا۔

ہندوستان کی ترقی کا سب سے بڑا چیلنج: نوجوانوں کے لیے روزگار

راجیو نارائن

ہندوستان آج غیر معمولی رفتار سے شاہراہیں تعمیر کر رہا ہے سیمی کنڈکٹر کارخانے قائم کر رہا ہے ڈیٹا مراکز بنا رہا ہے اور رقمی پلیٹ فارم تیار کر رہا ہے۔ لیکن اس کی نوجوان آبادی کو جس بنیادی ڈھانچے کی سب سے زیادہ ضرورت ہے وہ حاصل کرنا کہیں زیادہ مشکل ثابت ہو رہا ہے۔ ایسا مستحکم اور مناسب معاوضے والا روزگار جو عزت نفس کے ساتھ ساتھ محفوظ مستقبل بھی فراہم کرے۔

آج ہندوستان پر نظر ڈالیں تو اقتصادی ترقی کی بے پناہ خواہش کے شواہد دیکھنا مشکل نہیں۔ شاہراہوں کا دائرہ وسیع ہو رہا ہے۔ ہوائی اڈوں کو جدید بنایا جا رہا ہے۔ صنعتی کارخانے قائم ہو رہے ہیں۔ رقمی رابطوں کے ذریعے تجارت اور ادائیگیوں کا نظام تبدیل ہو رہا ہے۔ ڈیٹا مراکز تیزی سے بڑھ رہے ہیں اور سیمی کنڈکٹر کارخانوں کی ایک نئی نسل ہندوستان کو عالمی ٹیکنالوجی فراہمی کے سلسلے میں مزید گہرائی تک لے جانے کا وعدہ کر رہی ہے۔

لیکن بنیادی ڈھانچے کا ایک اہم حصہ ایسا ہے جو غائب ہے اور جو شاندار تصویروں یا افتتاحی تقریبات کا باعث نہیں بنتا۔ وہ ہے روزگار۔ صرف کوئی بھی روزگار نہیں بلکہ ایسا کام جو مناسب آمدنی دے تحفظ فراہم کرے مہارتوں کو فروغ دے اور ایک خاندان کو بہتر کل کی امید دے۔ یہی ہماری اقتصادی تبدیلی کے لیے شاید سب سے مشکل امتحان ہے کیونکہ ہندوستان بڑے پیمانے پر اقتصادی سرگرمیاں پیدا کر رہا ہے لیکن تشویش یہ ہے کہ کیا ہر سال روزگار کی منڈی میں داخل ہونے والے لاکھوں نوجوان ہندوستانیوں کے لیے کافی مستحکم کام بھی پیدا ہو رہا ہے۔

تشویش ناک اعداد و شمار

بے روزگاری کے اعداد و شمار تشویش ناک ہیں۔ **15** سے **29** سال کی عمر کے افراد میں بے روزگاری مجموعی بے روزگاری کی شرح سے زیادہ ہے اور خواتین کو خاص طور پر سنگین مشکلات کا سامنا ہے۔ لیکن بے روزگاری اس پوری کہانی کا صرف ایک حصہ ہے۔ ایک نوجوان جو روزانہ چند گھنٹے کام کرتا ہے جس کی آمدنی غیر یقینی ہے یا جو اپنی قابلیت سے کم درجے کی ملازمت اختیار کرتا ہے وہ بے روزگاری کے اعداد و شمار میں شاید شامل ہی نہ ہو۔

یہ بات اہم ہے۔ کیونکہ ان بڑے اعداد و شمار کے پیچھے بے شمار انفرادی کہانیاں ہیں۔ ایسے گریجویٹ جو بھرتی کے امتحانات کا انتظار کر رہے ہیں۔ ایسے نوجوان جو اپنی قابلیت سے کم درجے کی ملازمتیں اختیار کر رہے ہیں۔ ایسے کارکن جو ایک عارضی کام سے دوسرے عارضی کام کی طرف منتقل ہو رہے ہیں اور ایسے خاندان جو تعلیم پر سرمایہ لگا رہے ہیں لیکن یہ نہیں جانتے کہ اس کا فائدہ کیا ہوگا یا کب حاصل ہوگا۔

اس گریجویٹ کا کیا ہوگا جو برسوں تک کسی امتحان کی تیاری کرتا رہتا ہے کیونکہ نجی ملازمتیں کم اجرت اور معمولی تحفظ فراہم کرتی ہیں؟ یا اس ڈپلومہ یافتہ نوجوان کا کیا ہوگا جو ترسیل کا کام اختیار کر لیتا ہے کیونکہ اس سے فوری آمدنی حاصل ہوتی ہے حالانکہ اس کا حاصل کردہ مہارتوں سے کوئی تعلق نہیں؟ یا اس نوجوان خاتون کا کیا ہوگا جس کے پاس ڈگری ہے لیکن وہ روزگار کی منڈی سے باہر رہتی ہے کیونکہ دستیاب ملازمتیں کم اجرت والی ہیں دور واقع ہیں یا بہت غیر محفوظ ہیں؟

ڈگری کے بعد کیا؟

ہندوستان نے کئی دہائیوں تک تعلیم تک رسائی بہتر بنانے کے لیے کام کیا ہے اور اس کے نوجوانوں کی خواہشات میں بھی اضافہ ہوا ہے۔ اب ڈگری کو محض ایک تعلیمی اہلیت نہیں سمجھا جاتا بلکہ یہ خاندان کی سرمایہ کاری اور سماجی و اقتصادی ترقی کی طرف بڑھنے کا وعدہ بن چکی ہے۔ لیکن جب تعلیم اور مواقع ایک دوسرے سے ہم آہنگ نہیں ہوتے تو یہ وعدہ کمزور پڑ جاتا ہے۔ امتحانات بھرتی کے طریقہ کار اور مواقع کی کمی کے حوالے سے پیدا ہونے والی مایوسی صرف سرکاری ملازمتوں سے متعلق نہیں ہے۔ یہ ایک بڑے خدشے کی عکاسی کرتی ہے کہ ڈگری حاصل کرنے کے بعد کیا ہوگا؟

ایک نوجوان جو ڈگری حاصل کرنے کے لیے قرض لیتا ہے وہ ہمیشہ سرکاری ملازمت نہیں چاہتا۔ وہ عملی زندگی میں داخل ہونے کا راستہ چاہتا ہے۔ ایسی ملازمت چاہتا ہے جو اس کی محنت کا صلہ دے۔ اس کی مہارتوں میں اضافہ کرے اور اسے بہتر زندگی کا امکان فراہم کرے۔ یہی وہ مقام ہے جہاں آبادیاتی فائدے کی بحث پیچیدہ ہو جاتی ہے۔ نوجوان افرادی قوت اقتصادی فائدہ ہے لیکن محض نوجوان ہونا آبادیاتی فائدہ نہیں بن جاتا۔ یہ اسی وقت فائدہ بنتا ہے جب لوگوں کے پاس معیشت میں نتیجہ خیز طور پر حصہ لینے کے لیے ضروری مہارتیں اور مواقع موجود ہوں۔

یہاں ایک مشکل سوال سامنے آتا ہے۔ کیا ہماری معیشت ان لوگوں کو روزگار فراہم کر سکتی ہے جنہیں ہم تعلیم دے رہے ہیں؟

روزگار کہاں پیدا ہوتا ہے

صرف یہ مطالبہ کرنا کہ معیشت مزید روزگار پیدا کرے اس سوال کا جواب نہیں ہے کہ یہ روزگار کہاں اور کس طرح پیدا ہوگا۔ ہمیں یہ پوچھنا ہوگا کہ کس نوعیت کی اقتصادی ترقی بڑے پیمانے پر روزگار پیدا کرتی ہے۔ ہندوستان سیمی کنڈکٹرز الیکٹرانکس صنعت قابل تجدید توانائی بنیادی ڈھانچے اور رقمی خدمات کے شعبوں میں سرمایہ کاری حاصل کر رہا ہے جو پیداواریت کو تبدیل کر رہی ہے اور عالمی فراہمی کے سلسلے میں ہماری جگہ کو مضبوط بنا رہی ہے۔ لیکن سرمایہ کاری ہمیشہ روزگار میں تبدیل نہیں ہوتی کیونکہ جدید صنعتیں صرف بڑے سرمائے پر منحصر نہیں بلکہ انتہائی خودکار بھی ہیں۔

یہ نئی ٹیکنالوجی کے خلاف آواز نہیں ہے بلکہ اس بات کی ضرورت پر زور ہے کہ کارخانے کے دروازے سے آگے بھی دیکھا جائے۔ سیمی کنڈکٹر کا ایک کارخانہ ہزاروں افراد کو ملازمت دے سکتا ہے لیکن روزگار کے وسیع تر مواقع اس کے ارد گرد قائم ہونے والے پورے نظام میں پیدا ہوتے ہیں۔ اجزا فراہم کرنے والے ادارے نقل و حمل دیکھ بھال تعمیرات سامان کی ترسیل خوراک کی خدمات رہائش اور چھوٹے کاروباروں کی ایک پوری دنیا اس کا حصہ بنتی ہے۔ یہی بات صنعتی راہداریوں سیاحتی مراکز گوداموں غذائی مصنوعات کی تیاری کے مراکز اور شہری بنیادی ڈھانچے کے لیے بھی درست ہے۔

یہی وہ مقام ہے جہاں چھوٹے اور درمیانے درجے کے کاروباری ادارے انتہائی اہم ہیں۔ ان میں سیمی کنڈکٹر کارخانوں جیسی کشش نہیں ہوتی لیکن بڑے پیمانے پر روزگار پیدا کرنے کے لیے یہ زیادہ موزوں جگہ پر موجود ہوتے ہیں۔ اگر انہیں ترقی کرنے کے مواقع ملیں۔ مالی وسائل تک رسائی حاصل ہو۔ ٹیکنالوجی اپنانے میں مدد ملے۔ انہیں باقاعدہ نظام کا حصہ بنایا جائے اور بڑی فراہمی کے زنجیروں سے جوڑا جائے تو یہ اقتصادی سرگرمی کو روزگار کی حقیقی کہانی میں تبدیل کر سکتے ہیں۔ چیلنج ٹیکنالوجی اور روزگار میں سے کسی ایک کا انتخاب نہیں ہے بلکہ یہ یقینی بنانا ہے کہ سرمایہ کاری روزگار کے کئی گنا مواقع پیدا کرنے کا ذریعہ بنے۔ ہندوستان کی روزگار کی کہانی میں یہی وہ کڑی ہے جو ابھی غائب ہے۔

آبادیاتی فائدے کا امتحان

اب **2047** تک ترقی یافتہ ہندوستان کے عزم کی بات کرتے ہیں۔ ایک ترقی یافتہ ہندوستان کو صرف اس کی معیشت کے حجم اس کے بنیادی ڈھانچے کے معیار یا یہاں سرمایہ کاری کرنے والی عالمی کمپنیوں کی تعداد سے نہیں پرکھا جا سکتا۔ اسے اس بات سے بھی جانچا جانا چاہیے کہ کیا ایک عام ہندوستانی جب معیشت کو دیکھتا ہے تو اسے اس میں اپنے لیے کوئی جگہ نظر آتی ہے۔ اس کے لیے صرف خالی اسامیاں کافی نہیں ہیں۔ تعلیم سے مہارت تک۔ مہارت سے پہلی ملازمت تک۔ پہلی ملازمت سے بہتر ملازمت تک اور بڑھتی ہوئی پیداواریت سے بڑھتی ہوئی آمدنی تک ایک واضح راستہ درکار ہے۔ اسی لیے روزگار کی بحث صرف بازار پر نہیں چھوڑی جا سکتی۔ بہتر مہارت آموزی آسان کاروباری حالات مضبوط صنعتی نظام خواتین کی افرادی قوت میں زیادہ شمولیت اور بہتر نقل و حرکت بھی اہم کردار ادا کرتے ہیں۔ اسی طرح شہروں اور ابھرتے ہوئے صنعتی مراکز کی یہ صلاحیت بھی اہم ہے کہ وہ ایسی رہائش نقل و حمل اور عوامی خدمات فراہم کریں جو لوگوں کو حقیقت میں روزگار اختیار کرنے کے قابل بنائیں۔

ہندوستان نے ثابت کیا ہے کہ وہ بڑے پیمانے پر تعمیرات اور ترقیاتی منصوبے مکمل کر سکتا ہے۔ اب چیلنج یہ یقینی بنانا ہے کہ جن لوگوں کے لیے یہ تبدیلی تعمیر کی جا رہی ہے وہ بھی اس میں حصہ لے سکیں۔ آبادیاتی فائدہ ہمیشہ قائم نہیں رہے گا۔ نوجوان عمر رسیدہ ہوں گے۔ ان کی خواہشات بڑھتی رہیں گی اور مواقع کی یہ کھڑکی محدود ہوتی جائے گی۔ کوئی ملک اپنے نوجوانوں کی تعداد گن کر آبادیاتی فائدہ حاصل نہیں کر سکتا۔ وہ اس وقت ہی اس فائدے کو حقیقت میں بدل سکتا ہے جب نوجوانوں کو ایسا کام فراہم کرے جس کے لیے محنت کرنا ان کے لیے واقعی قابل قدر ہو۔ یہی وہ روزگار ہے جسے ہندوستان کسی صورت نظر انداز کرنے کا متحمل نہیں ہو سکتا۔

مصنف ایک تجربہ کار صحافی اور ابلاغی ماہر ہیں۔

قطاروں سے 10 منٹ کی ڈیلیوری تک۔ ہندوستان کی بدلتی ہوئی زندگی

راجیو نارائن

ہندوستان ہمیشہ سے انتظار کرنے والا ملک رہا ہے۔ ٹرینوں کا انتظار ہو یا بینک کی قطاروں کا۔ سرکاری فائلوں کی منظوری ہو یا ریستوران میں میز ملنے کا انتظار۔ پروجیکٹ کی منظوری ہو یا کسی سامان کی ترسیل۔ ہندوستان میں انتظار زندگی کا ایک معمول تھا۔ اب ایسا نہیں ہے۔ ٹیکنالوجی نے ہندوستان کے ساتھ ایک اہم تبدیلی کی ہے۔ اس نے صرف ملک کو تیز رفتار نہیں بنایا بلکہ انتظار کو ناقابل برداشت بھی بنا دیا ہے۔ ہندوستان اب **10** منٹ کا ملک بن چکا ہے۔ لیکن ہمیشہ ایسا نہیں تھا۔ ایک زمانہ تھا جب کوئی چیز منگوانے کا مطلب اسے آرڈر کر کے کچھ عرصے کے لیے بھول جانا ہوتا تھا۔ ایک خط اپنے مخاطب تک پہنچنے میں کئی دن لیتا تھا۔ چیک کلیئر ہونے میں وقت لگتا تھا۔ ٹیلی فون کا نیا کنکشن حاصل کرنا خاندان کے لیے ایک یادگار واقعہ بن سکتا تھا۔ یہاں تک کہ ٹیکسی لینے کے لیے بھی سڑک کنارے کھڑے ہو کر انتظار کرنا پڑتا تھا اور کبھی کبھی امید بھی کہ ٹیکسی مل ہی جائے گی۔

اب ایسا نہیں ہے۔

آج ہم کھانا پکاتے ہوئے بھی گروسری کا آرڈر دے دیتے ہیں اور توقع کرتے ہیں کہ کھانا تیار ہونے سے پہلے ہی دروازے کی گھنٹی بج جائے گی۔ ہم گھر پر پرنٹ آؤٹ منگواتے ہیں اور اگر سیاہی کچھ زیادہ خشک ہو تو بھی ہمیں تاخیر محسوس ہونے لگتی ہے۔ حیرت انگیز بات یہ نہیں ہے کہ کوئی بسکٹ کا پیکٹ **10** منٹ میں پہنچ سکتا ہے۔ اصل تبدیلی یہ ہے کہ ہندوستان نے **20** منٹ کے انتظار کو بھی سست روی سمجھنا شروع کر دیا ہے۔

کوئیک کامرس نے عجلت کو کاروباری ماڈل بنا دیا ہے۔ کھانا بناتے وقت بھولا ہوا کوئی اجزا۔ موبائل کا چارجر۔ ٹوتھ پیسٹ یا اچانک آنے والے مہمانوں کے لیے اسنیکس۔ ایسی چیزیں جن کے لیے پہلے منصوبہ بندی کرنا پڑتی تھی اب تقریباً فوراً گھر منگوائی جا سکتی ہیں۔ جب سہولت اس سطح تک پہنچ جاتی ہے تو وہ زیادہ دیر تک محض سہولت نہیں رہتی۔ وہ ایک معیار بن جاتی ہے۔ اسی طرح ہماری توقعات بدلتی ہیں۔

سب کچھ ابھی

یو پی آئی نے پیسے کے معاملے میں بھی کچھ ایسا ہی کیا ہے۔ ایک زمانے میں ادائیگی کے لیے نقد رقم۔ کارڈ۔ دستخط یا انتظار کی ضرورت ہوتی تھی۔ اب ادائیگی چند سیکنڈ میں خاموشی سے مکمل ہو جاتی ہے۔ اس سال اگست میں یو پی آئی نے ملک بھر میں **24.5** بلین لین دین کیے۔ اس کی اہمیت صرف مالیاتی نہیں ہے۔ ہم فوری تکمیل کے عادی ہو چکے ہیں۔ آپ ادائیگی کرتے ہیں اور معاملہ ختم۔ آپ بکنگ کرتے ہیں اور تصدیق ہو جاتی ہے۔ آپ آرڈر کرتے ہیں اور الٹی گنتی شروع ہو جاتی ہے۔ آپ ٹیکسی طلب کرتے ہیں اور نقشے پر اس کی علامت کو اپنی طرف آتے دیکھتے ہیں۔ تفریح بھی ہماری بے صبری کے سامنے جھک چکی ہے۔ اب ہم اگلی قسط کے لیے اگلے ہفتے تک انتظار نہیں کرنا چاہتے۔ ہمیں وہ آج ہی دیکھنی ہے۔ اکثر ہم ایک ہی شام میں پوری سیریز دیکھ ڈالتے ہیں۔ بینکنگ۔ خریداری۔ سفر۔ کھانا۔ تفریح۔ زندگی کے ایک کے بعد ایک شعبے کو اس طرح از سر نو ترتیب دیا جا رہا ہے کہ انتظار کم سے کم ہو۔ ٹیکنالوجی مسلسل معیار بلند کر رہی ہے۔ خطرہ اگر اسے خطرہ کہنا درست ہو تو یہ نہیں کہ ہم بے صبرے انسان بن رہے ہیں۔ اصل خطرہ یہ ہے کہ ہم یہ بھولنے لگے ہیں کہ کچھ چیزیں فوری نہیں ہو سکتیں اور شاید انہیں فوری ہونا بھی نہیں چاہیے۔

نئے معیار

فوری دستیابی کا رجحان کاروباری مسابقت کو بھی تبدیل کر رہا ہے۔ اب صرف اچھی مصنوعات فراہم کرنا کافی نہیں ہے۔ آج کا نیا اصول یہ ہے کہ مصنوعات تیزی سے صارف تک پہنچنی چاہئیں۔ سی آئی آئی اور الویرس اینڈ مارسال کی ایک حالیہ تحقیق کے مطابق **77** فیصد ہندوستانی خریدار **2** گھنٹے کے اندر ڈیلیوری کی توقع رکھتے ہیں۔ زیادہ سے زیادہ **2** گھنٹے۔ رفتار اب سروس کا حصہ بن چکی ہے۔ ایک ریستوران اگر کہے کہ آپ کا آرڈر **40** منٹ میں پہنچے گا تو اسے خدشہ رہتا ہے کہ صارف ایسے دوسرے ریستوران کا رخ نہ کر لے جو **25** منٹ میں ڈیلیوری کا وعدہ کر رہا ہو۔ آن لائن ریٹیلر اب صرف یہ نہیں بتاتا کہ وہ کیا فروخت کرتا ہے بلکہ یہ بھی بتاتا ہے کہ وہ کب تک پہنچے گا۔ یہاں تک کہ گروسری کا شعبہ بھی فوری تکمیل کی توقع کے ساتھ چلنے پر مجبور ہے۔ یہ تبدیلی مکمل طور پر بری نہیں ہے۔ ہندوستان نے کئی دہائیاں ایسی نااہلی کو برداشت کرتے ہوئے گزاریں جسے زندگی کا ناگزیر حصہ سمجھا جاتا تھا۔ قطاریں۔ کاغذی کارروائی۔ سست بینکاری۔ تاخیر سے ہونے والی ڈیلیوری اور غیر ذمہ دارانہ خدمات کو اکثر ایسے حقائق سمجھا جاتا تھا جنہیں تبدیل نہیں کیا جا سکتا۔ ٹیکنالوجی نے اس سوچ کو چیلنج کیا ہے۔ اگر ادائیگی **5** سیکنڈ میں ہو سکتی ہے تو ایک معمولی لین دین مکمل ہونے میں **2** دن کیوں لگیں؟ اگر کوئی پارسل آج گھر پہنچ سکتا ہے تو اسے ایک ہفتہ لگنا لازمی کیوں ہے؟ اس لحاظ سے بے صبر ہندوستانی شاید ایک بہتر صارف بن رہا ہے۔

رفتار کی قیمت

اس تبدیلی کا ایک دوسرا پہلو بھی ہے۔ جب ہمارے ارد گرد ہر چیز تیز ہو جاتی ہے تو دوسری تمام چیزوں سے ہماری توقعات بھی بدل جاتی ہیں۔ کسی ویب سائٹ کو لوڈ ہونے میں **5** اضافی سیکنڈ لگیں تو وہ خراب محسوس ہونے لگتی ہے۔ ریستوران میں کھانا آنے میں **35** منٹ لگیں تو انتظام ناقص لگنے لگتا ہے۔ کسی ساتھی نے **3** گھنٹے تک پیغام کا جواب نہ دیا ہو تو ہمیں محسوس ہو سکتا ہے کہ وہ جان بوجھ کر نظر انداز کر رہا ہے۔ حکومت کا کوئی عمل کئی ہفتے لے تو وہ ہمیں قدیم زمانے کا نظام محسوس ہونے لگتا ہے۔ ہم نے فوری تجارت کی منطق زندگی کے ان شعبوں میں بھی داخل کر دی ہے جو انسانی رفتار سے چلتے ہیں۔ رشتوں کے ساتھ کوئی ٹریکنگ لنک نہیں ہوتا۔ بچے اس لیے تیزی سے بڑے نہیں ہو جاتے کہ والدین بے صبرے ہیں۔ اچھی کتاب کو ہمیشہ صرف اس کے ”حکمت“ والے حصے تک محدود کر کے نہیں پڑھا جا سکتا۔ خیالات کو پختہ ہونے کے لیے وقت درکار ہوتا ہے۔ مہارت کے لیے مسلسل مشق ضروری ہے۔ اعتماد بننے میں وقت لگتا ہے۔ صحت یابی میں وقت لگتا ہے۔ یہاں تک کہ اچھے فیصلوں کے لیے بھی بعض اوقات فوراً فیصلہ نہ کرنے کی گنجائش ضروری ہوتی ہے۔ یہ ایک عجیب تضاد ہے کہ ٹیکنالوجی نے چھوٹی چھوٹی تاخیر ختم کر کے ہمیں وقت تو دیا ہے لیکن اسی وقت نے ہمیں انتظار کرنے کے لیے مزید کم آمادہ کر دیا ہے۔ ہم نے منٹ تو بچا لیے لیکن صبر کھو دیا۔

انتظار کرنا سیکھنا

شاید ہندوستان کے لیے اگلا چیلنج مزید تیز رفتار بننا نہیں ہے۔ ہم پہلے ہی اس معاملے میں بہت آگے ہیں۔ زیادہ مشکل کام یہ ہو سکتا ہے کہ ہم یہ سیکھیں کہ کہاں رفتار واقعی اہم ہے اور کہاں نہیں۔ کوئی شخص یہ نہیں چاہتا کہ ادائیگی مکمل ہونے میں **3** دن لگیں۔ کوئی بھی صرف اس لیے قطار میں کھڑا نہیں ہونا چاہتا کہ کسی عمل کو اب تک جدید نہیں بنایا گیا۔ کوئی یہ نہیں چاہتا کہ ایک ایسا دستاویز حاصل کرنے میں پورا دن ضائع ہو جائے جو چند منٹ میں آن لائن جاری ہو سکتا ہے۔ لیکن غیر ضروری انتظار ختم کرنے اور ہر قسم کے انتظار کو ختم کرنے میں فرق ہے۔ زندگی کی کچھ بہترین چیزیں آج بھی اپنی فطرت کے اعتبار سے سست رفتار ہیں۔ اچھی طرح پکایا ہوا کھانا۔ وقت کے ساتھ پختہ ہونے والی دوستی۔ ایک بچے کا بڑا ہونا۔ ایک کیریئر کی تعمیر۔ ایک اچھے خیال کا ایک عظیم خیال میں تبدیل ہونا۔ ہندوستان نے دنیا کے ساتھ قدم ملانے میں کئی دہائیاں صرف کی ہیں۔ ٹیکنالوجی نے اب ہندوستانیوں کو ایک غیر متوقع اعتماد دیا ہے۔ وہ یہ پوچھنے لگے ہیں کہ آخر کسی کام میں اتنا وقت کیوں لگنا چاہیے۔

یہ ترقی ہے۔

لیکن شاید ترقی کی اگلی علامت یہ ہوگی کہ ہم یہ جان سکیں کہ کب ایک بالکل مختلف سوال پوچھنا ہے۔

آخر ہر چیز ابھی کیوں ہونی چاہیے؟

▯ مصنف سینئر صحافی اور کمیونی کیشنز اسپیشلسٹ ہیں۔

ہندوستان کو سرسید فضل علی کو کیوں یاد رکھنا چاہیے؟

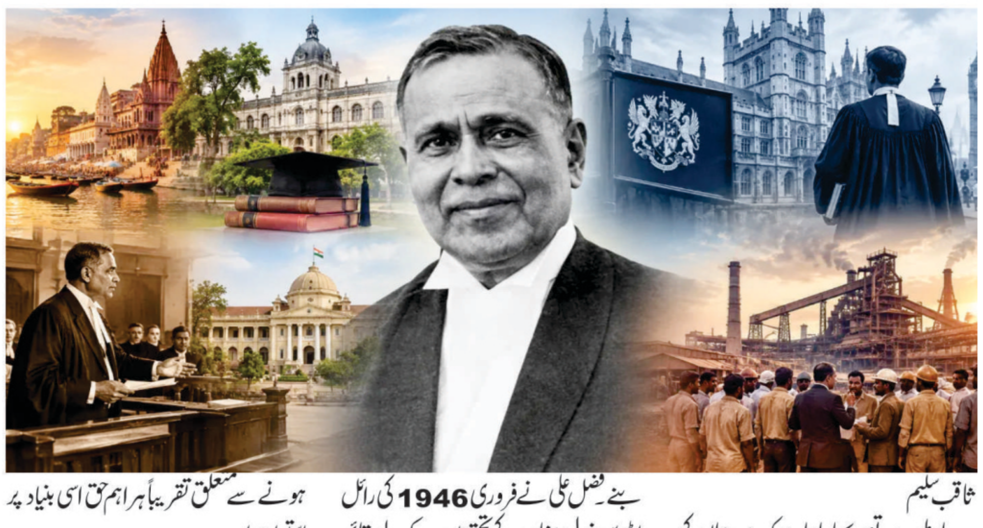

ثاقب سلیم

عام طور پر یہ تصور کیا جاتا ہے کہ ہندوستان کی ریاستیں قدرتی اکائیاں ہیں اور ہر ریاست کسی مخصوص زبان اور ثقافت کا صدیوں سے وطن رہی ہے۔ **1947** کے بعد ہندوستان کے جمہوریہ بننے پر ان ریاستوں کو باضابطہ طور پر تسلیم کیا جانا اسی قدرتی عمل کا حصہ تھا۔ لیکن تاریخ کا مطالعہ بتاتا ہے کہ آج زیادہ تر ہندوستانی جن سیاسی حدود کے اندر رہتے ہیں وہ دراصل ایک **3** رکنی کمیشن نے متعین کی تھیں جس نے **30** ستمبر **1955** کو اپنی رپورٹ پیش کی تھی۔ یعنی وہ لکیر جو ایک کنڑ بولنے والے کو ملیالی سے یا بہاری کو بنگالی سے الگ کرتی ہے دراصل بعد کی تشکیل ہے۔

اس رپورٹ سے پہلے ہندوستان میں برطانوی دور کے صوبے۔ شاہی ریاستیں اور مرکزی انتظام کے تحت آنے والے علاقے موجود تھے۔ انہیں گورنمنٹ آف انڈیا ایکٹ **1935** سے ورثے میں ملنے والے **4** درجے کے نظام کے تحت اے۔ بی۔ سی اور ڈی ریاستوں میں تقسیم کیا گیا تھا۔ اس پورے نقشے کو تبدیل کرنے والے کمیشن کے سربراہ ایک ایسے مسلم جج تھے جن کا تعلق بنارس یعنی وارانسی سے تھا۔ آج بہت کم ہندوستانی ان کا نام جانتے ہیں۔ وہ تھے سرسید فضل علی۔

سرسید فضل علی **19** ستمبر **1886** کو وارانسی میں سید نذیر علی کے گھر پیدا ہوئے۔ ان کا تعلق ایک وکیل خاندان سے تھا جس کی جڑیں بہار میں تھیں۔ انہوں نے میور سینٹرل کالج الہ آباد سے تعلیم حاصل کی اور لندن کے مڈل ٹیمپل سے قانون کی تعلیم مکمل کی۔ فضل علی کی نسل کے بیشتر انگلینڈ سے تعلیم یافتہ بیرسٹر ہائی کورٹ کا رخ کرتے تھے۔ لیکن فضل علی نے ایسا نہیں کیا۔ **1912** میں ہندوستان واپسی کے بعد انہوں نے بہار کے چھپرا کی ضلعی عدالتوں میں وکالت شروع کی اور ماتحت ججوں کے سامنے فوجداری مقدمات لڑے۔ یہ عملی تجربہ انہیں اپریل **1928** میں پٹنہ ہائی کورٹ تک لے گیا۔ اسی دوران انہیں جمشید پور میں ٹاٹا اسٹیل ورکس سے متعلق مزدور تنازعات کے تصفیے کے لیے بھی ذمہ داری سونپی گئی۔

سال **1941** کے نیو ایئر آنرز میں انہیں نائٹ کا خطاب دیا گیا۔ وہ **1938** میں پٹنہ ہائی کورٹ کے قائم مقام چیف جسٹس اور جنوری **1943** میں مستقل چیف جسٹس بنے۔ فضل علی نے فروری **1946** کی رائل انڈین نیول بغاوت کی تحقیقات کے لیے قائم کمیشن کی بھی صدارت کی۔ یہ ہندوستان میں برطانوی سلطنت کے خلاف آخری بڑی بغاوتوں میں سے ایک تھی۔ بعد میں انہوں نے کلکتہ فسادات کی تحقیقات کرنے والے کمیشن میں بھی خدمات انجام دیں جس نے تقسیم ہند کے دوران ہونے والی ہلاکتوں کی تحقیقات کیں۔ جون **1947** میں فضل علی کو وفاقی عدالت کا جج مقرر کیا گیا۔ یہ تقرری آزادی سے صرف **2** ماہ قبل ہوئی۔ ستمبر **1947** میں وہ اقوام متحدہ کی جنرل اسمبلی کے دوسرے اجلاس میں ہندوستان کے نمائندے بن کر گئے اور جنرل اسمبلی کی پانچویں کمیٹی کے چیئرمین منتخب ہوئے۔ **1950** میں انہیں ہندوستان کی سپریم کورٹ کے پہلے **8** ججوں میں شامل کیا گیا۔ اس طرح وہ اس عدالت میں بیٹھنے والے پہلے مسلم جج بنے۔

یہی وہ حیثیت تھی جس میں فضل علی نے ایسا اختلافی فیصلہ تحریر کیا جسے آج بھی قانون کے ماہرین یاد کرتے ہیں۔ آزاد ہندوستان کی پہلی پارلیمنٹ نے **1950** میں پریوینٹیو ڈیٹینشن ایکٹ منظور کیا تھا جس کے تحت ریاست کسی شخص کو مقدمہ چلائے بغیر جیل میں رکھ سکتی تھی۔ اے کے گوپالن بنام ریاست مدراس مقدمے میں **19** مئی **1950** کو چیف جسٹس ہری لال کانیا کی سربراہی میں اکثریت نے قرار دیا کہ اگر پارلیمنٹ کسی طریقہ کار کو قانون کا درجہ دے دے تو شہری کی آزادی اس کے تحت سلب کی جا سکتی ہے خواہ وہ طریقہ کار کتنا ہی غیر منصفانہ کیوں نہ ہو۔

چھ میں سے **2** ججوں نے اس موقف سے اختلاف کیا۔ ان میں فضل علی بھی شامل تھے۔ فضل علی کا موقف تھا کہ قانون کے ذریعے مقرر کردہ طریقہ کار کو **4** بنیادی اصولوں پر قائم ہونا چاہیے۔ انہوں نے اسے ایک مختصر جملے میں بیان کیا۔ کسی شخص کو سزا سنانے سے پہلے اسے اپنا موقف پیش کرنے کا حق حاصل ہونا چاہیے۔ اس موقف کو تسلیم کرنے میں عدالت کو **28** سال لگے۔ **1978** میں مینکا گاندھی بنام یونین آف انڈیا مقدمے میں سپریم کورٹ نے بالآخر آئین کے آرٹیکل **21** میں انصاف اور منصفانہ طریقہ کار کے اصول کو دوبارہ شامل کیا۔ بعد میں ہندوستان میں وقار۔ رازداری اور قانونی عمل کے منصفانہ ہونے سے متعلق تقریباً ہر اہم حق اسی بنیاد پر استوار ہوا۔

گوپالن مقدمے کے **2** سال سے بھی کم عرصے بعد فضل علی نے ریاست مغربی بنگال بنام انور علی سرکار مقدمے میں اکثریتی بنچ کا حصہ بنتے ہوئے ایسے قانون کو مسترد کیا جس کے تحت حکومت بعض مقدمات کو عام عدالتی طریقہ کار سے ہٹا کر خصوصی عدالتوں میں بھیج سکتی تھی۔ عدالت نے قرار دیا کہ اس طرح کی صوابدیدی طاقت آئین کے آرٹیکل **14** کی خلاف ورزی ہے کیونکہ اس سے یکساں نوعیت کے جرائم میں من مانی اور غیر مساوی سلوک کا راستہ کھلتا ہے۔ آج بھی ہندوستانی عدالتیں آرٹیکل **14** کے تحت معقول درجہ بندی کے اصول کو استعمال کرتی ہیں اور اس فیصلے نے اس اصول کی تشکیل میں اہم کردار ادا کیا تھا۔

لیکن ایک سوال اہم ہے۔ ایک اختلافی عدالتی فیصلہ وکلا پڑھتے ہیں۔ وہ ملک کا نقشہ نہیں بناتا۔ پھر یہی جج ان ریاستوں کی سرحدیں طے کرنے والے کمیشن کے سربراہ کیسے بنے جن کے اندر آج ہر ہندوستانی رہتا ہے؟

اس کی کڑی پوتی سری رامولو سے جڑتی ہے جن کی الگ تلگو ریاست کے مطالبے کے لیے بھوک ہڑتال **15** دسمبر **1952** کو ان کی موت پر ختم ہوئی۔ اس کے بعد ہونے والی بے چینی نے جواہر لال نہرو کی حکومت کو مجبور کیا کہ وہ ہندوستان کو لسانی بنیادوں پر از سر نو منظم کرنے کے اس مطالبے کو تسلیم کرے جسے اس سے پہلے **1948** کے دھار کمیشن اور **1949** کی نہرو۔ پٹیل۔ سیتارامیا کمیٹی مسترد کر چکی تھیں۔ دسمبر **1953** میں ریاستوں کی تنظیم نو کے لیے ایک کمیشن قائم کیا گیا جس کی سربراہی اس وقت اڑیسہ کے گورنر فضل علی کر رہے تھے۔ معروف مورخ اور سفارت کار کے ایم پنیکر اور تجربہ کار لبرل پارلیمنٹیرین ایچ این کنزرو اس کے دیگر ارکان تھے۔

تقریباً **2** سال تک کمیشن نے ملک کا دورہ کیا۔ مختلف علاقوں سے شواہد جمع کیے اور سیاسی جماعتوں۔ شاہی خاندانوں اور عام لوگوں کی جانب سے پیش کیے گئے یادداشتوں اور مطالبات کا مطالعہ کیا۔ کمیشن نے ہر مطالبے کو **4** بنیادی اصولوں کی کسوٹی پر پرکھا۔ قومی اتحاد اور سلامتی۔ لسانی اور ثقافتی یکسانیت۔ مالی اور انتظامی استحکام۔ اور ہر مجوزہ ریاست کے عوام کی فلاح و بہبود۔ کمیشن نے **30** ستمبر **1955** کو اپنی رپورٹ پیش کی۔ رپورٹ میں واضح کیا گیا کہ اس کے لیے بنیادی اصول یہ تھا کہ ہندوستان کا اتحاد سب سے اہم تصور کیا جانا چاہیے۔ کمیشن نے اس خیال کو بھی قبول نہیں کیا کہ ایک زبان کے لیے ایک ریاست کا اصول ہر صورت میں نافذ ہونا چاہیے۔

تاہم فضل علی کی جانب سے تجویز کردہ ہر حد سیاسی حالات کے سامنے برقرار نہیں رہ سکی۔ وہ مہاراشٹر اور گجرات کو ایک ہی دولسانی بمبئی ریاست میں رکھنے کے حامی تھے۔ لیکن اس تجویز سے نہ مراٹھی بولنے والے مطمئن ہوئے اور نہ گجراتی۔ بالآخر **1960** میں بمبئی ریاست کو تقسیم کر کے مہاراشٹر اور گجرات تشکیل دیے گئے۔ کمیشن نے **16** ریاستوں اور **3** مرکز کے زیر انتظام علاقوں کی سفارش کی تھی۔ تاہم نومبر **1956** میں پارلیمنٹ کے ریاستوں کی تنظیم نو کے قانون کے تحت **14** ریاستیں اور **6** مرکز کے زیر انتظام علاقے وجود میں آئے۔ اس کے باوجود بنیادی خاکہ وہی رہا۔

سال **1966** میں پنجاب اور ہریانہ کی تشکیل بھی اسی اصول کے تحت ہوئی۔ **2000** میں چھتیس گڑھ۔ اتراکھنڈ اور جھارکھنڈ وجود میں آئے۔ **2014** میں تلنگانہ تشکیل دیا گیا۔ ان تمام تنظیم نو کے عمل میں اسی انتظامی اور قانونی تصور کو بنیاد بنایا گیا جسے فضل علی کمیشن نے مرتب کیا تھا۔ یعنی کسی برادری کے اپنی زبان اور اپنی حکومت کے مطالبے کو قومی اتحاد اور ملک کی مجموعی یکجہتی کے ساتھ تولا جائے۔ اسے قومی اتحاد پر مکمل طور پر غالب نہ آنے دیا جائے۔ فضل علی نے اپنی زندگی کے آخری برس آسام کے گورنر کی حیثیت سے گزارے۔ انہوں نے ناگا پہاڑی علاقوں کو انتظامی دھارے میں شامل کرنے کے لیے کام کیا۔ انہوں نے ناگالینڈ کے موکوک چنگ میں ایک کالج قائم کیا جو آج بھی ان کے نام سے موسوم ہے۔ بعد میں فضل علی کے بیٹے سید مرتضیٰ فضل علی جموں و کشمیر ہائی کورٹ کے چیف جسٹس بنے۔ **1975** میں وہ اسی سپریم کورٹ کے جج مقرر ہوئے جس کے قیام میں ان کے والد نے اہم کردار ادا کیا تھا۔

سرسید فضل علی کو **1956** میں پدم وبھوشن سے نوازا گیا۔ **22** اگست **1959** کو عہدے پر فائز رہتے ہوئے ان کا انتقال ہو گیا۔ فضل علی نے کوئی عوامی تحریک نہیں چلائی۔ لیکن آج جب بھی کوئی زیر حراست ہندوستانی یہ سوال کرتا ہے کہ اسے گرفتار کرنے کی وجہ کیا ہے۔ جب بھی کوئی شہری عدالت میں کسی قانون کو من مانا قرار دیتا ہے۔ اور جب بھی کوئی شخص ایک ریاست سے دوسری ریاست میں داخل ہوتا ہے اور یہ سوچنے کی ضرورت محسوس نہیں کرتا کہ اس سرحد کی لکیر یہاں تک کیسے پہنچی۔ تو دراصل وہ ایک ایسے شخص کی دلیل اور وراثت کو دہرا رہا ہوتا ہے جو وارانسی میں پیدا ہونے والا بہاری مسلم جج تھا۔

ادب واحترام کو ملحوظ رکھتے ہوئے حضور صلعم کی آمد کی خوشی منانا باعث برکت

جامع مسجد چوک میں نعتیہ مشاعرہ، مولانا ڈاکٹر رضوان قریشی کا خطاب، شعرا کا نذرانہ عقیدت

حیدرآباد۔ (راست) مولانا حافظ وقاری ڈاکٹر محمد رضوان قریشی خطیب مکہ مسجد نے کہا کہ قرا?ن حکیم صبح قیامت تک ساری دنیا میں پڑھی جانے والی عظیم الشان اور مقدس کتاب ہے ضرورت اس بات کی ہے کہ امت مسلمہ اس کی ہر روز تلاوت کرے قرا?ن مجید کے معنی ومطلب کو سمجھیں اور اپنی زندگی کو اللہ اور رسول کے احکام کے مطابق گزاریں ان خیالات کا اظہار انہوں نے انتظامی کمیٹی مسجد چوک کی جانب سے دوروزہ جشن میلاد کے سلسلے میں نعتیہ مشاعرے کے موقع پر جامع مسجد چوک میں اپنے خصوصی خطاب میں کیا۔ جناب منور حسین صدر بزم حسین نے نگرانی کی بعد ازاں غیر طرحی نعتیہ مشاعرہ ہوا۔ محفل کا ا?غاز مولانا رضوان قریشی کی کمسن دختر ماریہ رضوان قریشی کی قرائت سے ہوا نظامت کے فرائض مزاحیہ ونعتیہ شاعر جناب لطیف الدین لطیف نے کی اس موقع پر جناب محمد علی عرف چاند بھائی کی جناب منور حسین نے شال پوشی کی۔ مولانا ڈاکٹر محمد رضوان قریشی نے سلسلہ خطاب جاری رکھتے ہوئے کہا کہ حضور کی شان میں محفلیں سجانا ا?پ کا ذکر کرنا اور سیرت کا تذکرہ کرنا یہ صحابہ کی سنت ہے اور خود حضور کا پسندیدہ عمل بھی ہے انہوں نے کہا کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی ولادت کی خوشی منانا باعث برکت ہے لیکن اس سلسلے میں ادب و احترام کو ہر حال میں باقی و برقرار رکھنا بے حد ضروری ہے۔ مولانا رضوان قریشی نے مزید کہا کہ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کو اللہ تعالی نے صرف مسلمانوں کے لیے نہیں بلکہ ساری انسانیت کے لیے رحمت بنا کر بھیجا ساری مخلوقات جن میں چرند پرند سمندر میں رہنے والی مخلوق اور جتنی بھی مخلوقات ہیں تمام مخلوقات کے لیے حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم رحمت ہی رحمت بن کر تشریف لائے۔ انہوں نے مزید کہا کہ قرا?ن کریم میں جتنی ا?یتیں ہیں ان سب میں سے عظیم الشان ا?یت وما ارسلنک الا رحمت اللعالمین ہے اس سے حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی رفعت اور شان و مرتبہ ظاہر ہوتا ہے۔ محفل میلاد میں رکن نمائش سوسائٹی جناب تقی الدین شجیع کے علاوہ جناب سید ظہور الدین چیئرمین سکندرا?باد کوا?پریٹو بینک، محمد حسام الدین ریاض، سید عبدالمجید، جناب محمد راشد انور، محمد سکندر، نجم الدین، ستار خان علیم محمد رفیع ڈھاکلی، محمد مجاہد علی، اعظم خان، لیاقت علی خان، محمد عارف اور دوسروں نے شرکت کی۔ شاعر ڈاکٹر فاروق شکیل کی نگرانی میں نعتیہ مشاعرہ منعقد ہوا نگران مشاعرہ کے علاوہ سردار سلیم، شاہد عدیلی، سمیع اللہ حسینی سمیع، قاضی فاروق عارفی، طاہر گلشن ا?بادی، اکبر خان اکبر، ڈاکٹر طیب پاشاہ قادری، جناب فرید سحر، ظفر فاروقی، پروفیسر محمد مسعود احمد، علی جواد شہپر، جناب لطیف الدین لطیف، امین الدین انصاری، سہیل عظیم اور جناب جہانگیر قیاس نے نذرانہ عقیدت پیش کیا۔ جناب منور قادری اور دوسروں نے سلام پڑھا۔ لطیف الدین لطیف کے شکریہ پر نعتیہ محفل کا اختتام عمل میں ا?یا بعد ازاں شرکاء کے لیے عشائیہ کا اہتمام بھی کیا گیا۔

فیس ری ایمبرسمنٹ اور اوورسیز اسکالرشپ کے بقایہ جات کے مسئلہ پر اسمبلی میں گرما گرم مباحث

وزیر لکشمن کمار کا جواب غیر واضح، اکبر اویسی نے اسکیمات میں بے قاعدگیوں کی نشاندہی کی، کل جماعت اجلاس طلب کرنے حکومت کا اتفاق

حیدرآباد۔ تلنگانہ قانون اسمبلی میں فیس ری ایمبرسمنٹ اور اوورسیز اسکالرشپ اسکیم کی ادائیگی کے مسئلہ پر مجلس اور بی جے پی نے حکومت کو تنقید کا نشانہ بنایا۔ دونوں اسکیمات کے بقایہ جات کی فوری اجرائی کا مطالبہ کیا گیا۔ مجلس کے فلور لیڈر اکبر الدین اویسی نے فیس ری ایمبرسمنٹ اسکیم میں مبینہ بے قاعدگیوں کی شکایت کرتے ہوئے کہا کہ کئی غیر مستحق افراد بھی اسکیم سے فائدہ اٹھارہے ہیں۔ انہوں نے دونوں اسکیمات سے استفادہ کیلئے مقررہ قواعد میں ترمیم کا مطالبہ کیا۔ وزیر ایس سی ڈیولپمنٹ لکشمن کمار نے گزشتہ 10 برسوں کے دوران بی آر ایس حکومت کی جانب سے فیس ری ایمبرسمنٹ اور اوورسیز اسکالرشپ کے بقایہ جات کی تفصیلات پیش کیں۔ انہوں نے بتایا کہ مجموعی طور پر فیس ری ایمبرسمنٹ کے بقایہ جات تقریباً 8000 کروڑ ہیں اور حکومت بقایہ جات کو جلد جاری کرے گی۔ وزیر کے جواب سے مجلسی ارکان مطمئن نہیں ہوئے اور انہوں نے اس مسئلہ پر کل جماعتی اجلاس طلب کرنے کا مطالبہ کیا تاکہ دونوں اسکیمات پر عمل آوری کے سلسلہ میں تفصیلی طور پر بحث کی جاسکے اور اپوزیشن کو رائے پیش کرنے کا موقع حاصل ہو۔ کرسی صدارت پر موجود پیانل اسپیکر کڈیم سری ہری نے حکومت کو مشورہ دیا کہ وہ اس مسئلہ پر کل جماعتی اجلاس طلب کریں کیونکہ یہ ریاست کا ایک اہم مسئلہ ہے۔ وزیر امور مقننہ سریدھر بابو نے کہا کہ فیس ری ایمبرسمنٹ اسکیم کے استفادہ کنندگان میں غیر مستحق افراد کی شمولیت حکومت کے لئے تشویش کا باعث ہے۔ انہوں نے کہا کہ فیس ری ایمبرسمنٹ اسکیم سابق میں کانگریس حکومت کی جانب سے متعارف کی گئی تھی اور اسکیم پر بہرصورت عمل کیا جائے گا۔ انہوں نے اسکیم پر موثر عمل آوری اور نقائص دور کرنے کیلئے کل جماعتی اجلاس جلد طلب کرنے کا اعلان کیا۔ انہوں نے کہا کہ فیس ری ایمبرسمنٹ اور اوورسیز اسکالرشپ کے بقایہ جات کی اجرائی میں حکومت سنجیدہ ہے اور مرحلہ طور پر اجرائی عمل میں آئے گی۔ وزیر ایس سی ڈیولپمنٹ لکشمن نے وقفہ سوالات کے دوران مجلسی ارکان کے سوال پر پانچویں تا آٹھویں جماعت اور نویں تا دسویں جماعت کے ایس سی، ایس ٹی اور بی سی طلبہ کو 2014-15 سے 2025-26 تک جاری کردہ اسکالرشپ کی تفصیلات پیش کیں۔ انہوں نے پوسٹ میٹرک اسکالرشپ کی اجرائی کے سلسلہ میں 2014-15 سے 2025-26 تک کے اعداد وشمار پیش کئے۔ انہوں نے بتایا کہ پوسٹ میٹرک اسکالرشپ کے تحت اس مدت میں جملہ ایک کروڑ 36 لاکھ 33 ہزار 189 درخواستیں موصول ہوئیں اور درخواستوں کی جانچ کے بعد 18570 کروڑ روپئے جاری کئے گئے۔ اوورسیز اسکالرشپ اسکیم کے تحت جاریہ سال 42.76 کروڑ جاری کئے گئے۔ مجلس کے فلور لیڈر اکبر اویسی نے حکومت سے جاننا چاہا کہ بقایہ جات کی اجرائی کب ہوگی اور اس سلسلہ میں ریاست کی معاشی صورتحال کے مطابق فیصلہ کب کیا جائے گا۔ انہوں نے کہا کہ حکومت نے فیس ری ایمبرسمنٹ کی رقم کالجس کے بجائے راست طور پر ڈی بی ٹی اسکیم کے تحت طلبہ کے بینک اکاؤنٹ میں جمع کرنے کا فیصلہ کیا ہے۔ انہوں نے دریافت کیا کہ کیا داخلہ کے فوری بعد حکومت فیس ادا کرے گی یا طالب علم کو فیس ادا کرنے کے بعد حکومت کی جانب سے ادا کی جائے گی۔ انہوں نے فیس ری ایمبرسمنٹ کی منظوری میں کئی با قاعدگیوں کا ذکر کیا اور طلبہ کی کم حاضری اور ان کے معاشی موقف کا جائزہ لئے بغیر ہی دولتمند خاندانوں کے طلبہ کو بھی فیس ری ایمبرسمنٹ جاری کیا جارہا ہے۔ انہوں نے کہا کہ جاریہ سال مجموعی بقایہ جات 11,000 کروڑ ہوجائیں گے۔ انہوں نے افسوس کا اظہار کیا کانگریس حکومت سابق بی آر ایس حکومت کے دور کے بقایہ جات کی اجرائی سے انکار کررہی ہے۔ لہذا کانگریس کو سابق حکومت کے بقایہ جات جاری کرنے چاہئے۔ اکبر اویسی نے کہا کہ بقایہ جات کی عدم اجرائی کے نتیجہ میں کئی کالجس بند ہوچکے ہیں اور خانگی کالجس کے دو لاکھ ٹیچرس تنخواہوں سے محروم ہیں۔ کالجس کی جانب سے طلبہ کے سرٹیفکٹس جاری نہیں کئے گئے۔ انہوں نے کہا کہ اوورسیز اسکالرشپ کیلئے امیدواروں پر شرط عائد کی جائے کہ وہ کورس کی تکمیل کے بعد وطن واپس ہوکر ریاست و ملک کی خدمت کریں گے۔ انہوں نے کہا کہ سابق حکومت کی خامیوں کو درست کرنے کی ضرورت ہے۔ بی جے پی رکن پی شنکر نے کہا کہ فیس ری ایمبرسمنٹ کے مسئلہ پر بی جے پی نے ریاست گیر سطح پر احتجاج منظم کیا۔ ان کا کہنا تھا کہ کالجس کی جانب سے سرٹیفکٹس کی اجرائی سے انکار کے نتیجہ میں طلبہ کو مشکلات کا سامنا ہے۔

عالمی حدت میں اضافہ کاربن ڈائی آکسائیڈ کے اخراج کی اہم وجہ

چین، امریکہ اور ہندوستان میں صنعتوں سے گیس کا اخراج، موسمی تبدیلی پر ماہرین کا اظہار تشویش

حیدرآباد۔ عالمی حدت میں CO_2 یعنی کاربن ڈائی آکسائیڈ کا اہم رول ہے۔ صنعتی اداروں اور خاص طور سے فیکٹریوں سے دھوئیں کی شکل میں نکلنے والا کاربن ڈائی آکسائیڈ ماحولیاتی آلودگی کے لئے خطرہ تصور کیا جاتا ہے۔ ہوا میں کاربن ڈائی آکسائیڈ کے اخراج کے معاملہ میں چین دنیا میں سرفہرست ہے، جہاں ایک اندازہ کے مطابق 12289 ملین ٹن کاربن ڈائی آکسائیڈ فضاء میں ہر سال شامل ہورہی ہے۔ امریکہ 4904 ملین ٹن کے ساتھ دوسرے اور ہندوستان 3193 ملین ٹن کے ساتھ تیسرے نمبر پر ہے۔ روس، جاپان اور انڈونیشیا بھی ان ممالک میں شامل ہیں جو سینکڑوں ٹن کاربن ڈائی آکسائیڈ ہر سال فضاء میں خارج کرتے ہیں۔ کاربن ڈائی آکسائیڈ کے اخراج کے معاملہ میں دنیا کے جن 10 ممالک کی نشاندہی کی گئی، ان میں جاپان، انڈونیشیا، ایران، سعودی عرب، ساؤتھ کوریا اور جرمنی شامل ہیں۔ ماہرین کا کہنا ہے کہ عالمی معیشت میں اہم حصہ داری ادا کرنے والے ممالک کی جانب سے عالمی حدت میں اضافہ میں اہم رول ادا کررہے ہیں۔ ماہرین نے ہوا میں کاربن ڈائی آکسائیڈ کی شمولیت کو انسانی زندگی کے لئے خطرہ بتایا ہے۔ ان کا کہنا ہے کہ عالمی سطح پر موسمی تبدیلی اور خاص طور پر حدت میں اضافہ کی صورتحال سے نمٹنے کیلئے کاربن ڈائی آکسائیڈ کے اخراج پر قابو پانا ضروری ہے۔ ایران میں ہر سال 793 ملین ٹن جبکہ سعودی عرب میں 692 ملین ٹن کاربن ڈائی آکسائیڈ فضاء میں شامل ہورہی ہے۔ صنعتی سرگرمیوں میں اضافہ کسی بھی ملک کی ترقی کا ضامن قرار دیا جاتا ہے لیکن ترقی کے نام پر فضائی آلودگی میں اضافہ کی اجازت نہیں دی جانی چاہئے۔ ماحولیاتی تبدیلی کے نتیجہ میں کئی ممالک میں مانسون ناکام رہا اور گزشتہ سال کے مقابلہ معمول سے بھی بارش ریکارڈ کی گئی۔ اس صورتحال کا راست طور پر اثر زرعی شعبہ کی پیداوار پر دیکھا جارہا ہے۔

چیف سکریٹری سنجے جاجو نے تلنگانہ گلوبل سمٹ کی تیاریوں کا جائزہ لیا

ٹنڈرس کا عمل آئندہ ہفتہ مکمل کرنے کی ہدایت، دہلی میں تشہیری پروگرام کا فیصلہ

حیدرآباد۔) چیف سکریٹری سنجے جاجو نے تلنگانہ گلوبل سمٹ 2026 کے انتظامات پر اعلیٰ سطحی جائزہ اجلاس منعقد کیا۔ تلنگانہ میں سرمایہ کاری کے لئے 7 تا 9 ڈسمبر گلوبل سمٹ کے انعقاد کا فیصلہ کیا گیا ہے جس میں قومی اور بین الاقوامی کمپنیوں کے نمائندوں کو مدعو کیا گیا۔ چیف سکریٹری نے تمام محکمہ جات اور انتظامی کمیٹی کو ہدایت دی کہ وہ سمٹ کے کامیاب انعقاد کیلئے وسیع تر انتظامات کریں۔ انہوں نے کہا کہ عالمی نوعیت کے اس سمٹ کی کامیابی کے ذریعہ تلنگانہ میں سرمایہ کاری کے امکانات میں اضافہ کیا جاسکتا ہے۔ سنجے جاجو نے تمام مندوبین اور مدعوئین کی تفصیلات طئے کرنے اور انہیں مدعو کرنے کیلئے بروقت پیامات روانہ کرنے کی ہدایت دی۔ انہوں نے کہا کہ عالمی اداروں کے نمائندوں سے ربط قائم کرتے ہوئے ان کے تمام تر انتظامات کی تفصیلات سے واقف کرایا جائے۔ چیف سکریٹری نے عہدیداروں کو ہدایت دی کہ گلوبل سمٹ کیلئے اڈوائزری بورڈ کی تشکیل کے علاوہ ایک مجموعی ایکشن پلان تیار کیا جائے۔ انہوں نے کہا کہ گلوبل سمٹ کی تشہیر کیلئے جاریہ ماہ کے اختتام پر نئی دہلی میں ایک پروگرام منعقد کیا جائے تاکہ تلنگانہ میں سرمایہ کاری کے مواقع اور حکومت کی جانب سے انفرااسٹرکچر سہولتوں سے واقف کرایا جائے۔ چیف سکریٹری نے سمٹ کے سلسلہ میں تشکیل دی گئی مختلف ذیلی کمیٹیوں کو متحرک ہونے کی ہدایت دی۔ انہوں نے کہا کہ کمیٹیوں کو اپنی کارکردگی کی رپورٹ پیش کرنی چاہئے۔ چیف سکریٹری نے ایونٹ سے ایک ماہ قبل تمام تر تیاریوں کو مکمل کرنے کی ہدایت دی۔ مختلف کاموں کی تکمیل کیلئے ٹنڈرس طلب کرنے کا کام آئندہ ہفتہ مکمل کرلیا جائے گا تاکہ کاموں کی تکمیل کیلئے کنٹراکٹرس کو مناسب وقت دیا جاسکے۔ انہوں نے کہا کہ گلوبل سمٹ کی کامیابی میں تمام محکمہ جات کو باہمی اشتراک کے ساتھ کام کرنا چاہئے۔ اجلاس میں اسپیشل چیف سکریٹری نوین متل، وانی پرساد کے علاوہ مختلف کمیٹیوں کے نمائندوں نے شرکت کی۔

بنڈارو دتاتریہ کی مرکزی وزیر پراہلاد جوشی اور بی ایل سنتوش سے ملاقات حیدرآباد کے الائی بلائی پروگرام میں شرکت کی دعوت

حیدرآباد۔ سابق گورنر ہریانہ بنڈارو دتاتریہ نے آج نئی دہلی میں مرکزی وزیر تعلیم پراہلاد جوشی اور بی جے پی کے قومی جنرل سکریٹری تنظیمی امور بی ایل سنتوش سے ملاقات کی۔ دتاتریہ نے دونوں قائدین کو الائی بلائی فاؤنڈیشن کی جانب سے منعقد کئے جانے والے سالانہ الائی بلائی پروگرام میں شرکت کی دعوت دی۔ انہوں نے کہا کہ ہر سال اس پروگرام کے انعقاد کا مقصد تلنگانہ کی تہذیب اور روایات کو فروغ دینا ہے۔ اس پروگرام کے ذریعہ مختلف طبقات کے افراد کے درمیان خیرسگالی میں اضافہ ہوتا ہے۔ پراہلاد جوشی اور بی ایل سنتوش نے الائی بلائی 2026 میں شرکت کی دعوت کو قبول کرلیا۔ انہوں نے پروگرام کی کامیابی کیلئے نیک تمناؤں کا اظہار کیا۔

پرکاش راج نے جدید سنسرشپ پر تنقید کی، ایس آئی آر کو 'بے خون نسل کشی' قرار دیا

حیدرآباد: اداکار اور کارکن پرکاش راج نے جمعرات، 10 ستمبر کو کہا کہ ہندوستان میں سنسرشپ نے "مکمل طور پر مختلف شکل اختیار کرلی ہے" جو خوف کے ماحول کے مقابلے میں مکمل پابندی کے ذریعے کم کام کرتی ہے جس میں مصنفین اور فلم ساز خود کو سنسر کرتے ہیں۔ "انہوں نے [حکومت کا حوالہ دیتے ہوئے] ہر ایک میں ایک گہرا خوف پیدا کیا ہے، لوگوں کو مسلسل تشویش کی حالت میں دھکیل دیا ہے،" انہوں نے کہا، انہوں نے مزید کہا کہ یہ آلہ فلم سرٹیفکیشن، نوٹ بندی، ہجوم یا مکمل طور پر کچھ اور ہوسکتا ہے۔ راج لاماکان میں فلسطینی مصنف اور صحافی ابتسام عظیم کے ناول "دی بک آف ڈسپیئرنس" کے تیلگو ترجمہ کے اجراء کے موقع پر بول رہے تھے، جس کا ترجمہ کے ستیہ راجن نے کیا ہے۔ انہوں نے کہا کہ سوال کرنے والی آواز کو روکنے کے لیے ہمیشہ کوئی نہ کوئی ہوتا تھا۔ "جنا نیاگن" میں، ایک فلم جس میں انہوں نے اداکار اور تمل ناڈو کے وزیر اعلیٰ سی جوزف وجے کے ساتھ کام کیا، ایک لائن "پروجیکٹ اوم" کا حوالہ دیتی ہے۔ انہوں نے کہا کہ سنسر بورڈ انہیں اس لفظ کے تلفظ کی اجازت نہیں دے گا، اس بات پر اصرار کرتے ہوئے کہ وہ انگریزی حروف "او ایم" کے بجائے بولیں۔ ایک اور فلم میں، ایک وکیل کا کردار ادا کرتے ہوئے، اس کے پاس سرسوتی نامی کردار کے بارے میں ایک لائن تھی جو عصمت دری کا شکار ہے۔ "انہوں نے مجھ سے کہا، نہیں، نہیں، پرکاش راج گارو، آپ کو یہ نہیں کہنا چاہیے کہ سرسوتی کے ساتھ عصمت دری ہوئی ہے۔ اسے ایل سرسوتی کہو۔ اس کا نتیجہ ان لوگوں پر پڑتا ہے جنہوں نے ابھی شروع نہیں کیا ہے، اس نے دلیل دی۔ "ایک نوجوان مصنف یا ہدایت کار کہانی لکھتے ہوئے خود سوچنا شروع کر دے گا... اگر میں یہ لکھوں گا تو یہ سینسر سے نہیں گزرے گا، یہ ریلیز نہیں ہوگا اور کوئی پروڈیوسر اس کی پشت پناہی نہیں کرے گا۔" انہوں نے کہا کہ انہوں نے فلم انڈسٹری کو اس وقت خبردار کیا تھا جب کئی سال قبل علاقائی سرٹیفکیشن کو مرکزی حیثیت دی گئی تھی۔ "میں نے ان سے کہا، اب آپ اس سازش کو نہیں سمجھیں گے، لیکن یہ بہت بڑی سازش ہے، آج سب سمجھ گئے ہیں۔" اسٹین سوامی، جی این سائی بابا اور عمر خالد کا نام لیتے ہوئے، انہوں نے کہا کہ عدالتی عمل کو اسی طرح کے انجام تک پہنچایا جا رہا ہے، اور جسٹس نا گوموہن داس کی ایک کتاب کی طرف اشارہ کرتے ہوئے جو انہوں نے حال ہی میں جاری کی تھی کہ کس طرح آمروں اور فاشسٹوں نے عدالتی عمل کو خود ہی سزا میں تبدیل کردیا۔ "عدالتی عمل کا مقصد مجرموں کو سزا دینا ہوتا ہے۔ لیکن آپ اسی عمل کو بے گناہوں کو سزا دینے کے لیے کیسے استعمال کرتے ہیں؟ قانونی طور پر، وہ درست نظر آتے ہیں۔ لیکن اخلاقی طور پر، کیا وہ درست ہیں؟ یہ سنسرشپ کی ایک اور شکل ہے۔" انہوں نے کہا کہ آئین نے وہ لائن رکھی تھی جہاں پڑوسی ممالک نے نہیں کی تھی۔ "ہمارے آئین کی وجہ سے، فوج یہاں پر قبضہ نہیں کر سکتی، تو وہ اس ملک کو کیسے سنبھالیں گے؟ وہ اداروں کو استعمال کرتے ہیں۔" ماہر معاشیات اور مبصر پرکالا پربھاکر سے منسوب ایک فارمولیشن کا حوالہ دیتے ہوئے، انہوں نے انتخابی فہرستوں سے ووٹروں کے بڑے پیمانے پر حذف کیے جانے کو "بے خون نسل کشی" قرار دیا۔ "بغیر خونریزی کے قتل عام ہورہا ہے۔ انہوں نے خاموشی سے تقریباً 12 کروڑ ووٹروں کو حذف کردیا ہے،" راج نے کہا۔ انہوں نے کہا کہ یہ مشق فروری تک جاری رہے گی، جس کے بعد مردم شماری ہوگی۔ "اس سب کے لیے ایک شاندار ڈیزائن ہے۔ آخر کار، ریاستوں میں الیکشن کمیشن کے دفاتر چھوٹے، بجلی کے بغیر کمروں میں سمٹ کررہ جائیں گے۔ وہ تمام ڈیٹا رکھتے ہیں۔ وہ اس کا استعمال اس بات کا پتہ لگانے کے لیے کریں گے کہ کون بین ذاتی شادیاں کررہا ہے، کون کس برادری سے تعلق رکھتا ہے، اور کس کو ثانوی شہری بنا دیا جانا چاہیے۔" آدیواسیوں، دلتوں، مسلمانوں اور عیسائیوں کے ساتھ، اداکار کارکن نے کہا، "وہ فعال طور پر انہیں ثانوی شہری بنا رہے ہیں۔" "سب سے پہلے 2014 میں عربی زبان میں "صفر الاختنیفہ" کے نام سے شائع ہوا، یہ ناول جفا اور تل ابیب میں ترتیب دیا گیا ہے اور ایک صبح کی ایک قیاس آرائی پر مبنی ہے جہاں زمین پر موجود ہر فلسطینی غائب ہوگیا ہے۔ یہ ایک نوجوان فلسطینی آدمی علاء کے پیچھے چھوڑی گئی نوٹ بکس اور اریل، اس کا اسرائیلی پڑوسی، ایک آزاد خیال صیہونی ہے جو وضاحت کی تلاش میں انہیں پڑھتا ہے۔ سنان انٹون کا انگریزی ترجمہ 2025 میں بین الاقوامی بکر پرائز کے لیے طویل فہرست میں تھا۔ راج، فلسطین پر بولنے والی ہندوستانی سنیما میں سب سے زیادہ نظر آنے والی آوازوں میں سے، اس واقف سوال کا جواب دیا کہ ایک اداکار محمود درویش کا حوالہ دے کر سیاست کیوں بولتا ہے، جیسا کہ اس نے گزشتہ ستمبر میں چنئی میں یکجہتی ریلی میں کیا تھا۔ یہی پوچھنے پر شاعر نے جواب دیا تھا کہ اگر اس کی شاعری کو سیاست سے پاک کرنا ہے تو اسے سب سے پہلے پرندوں کے گیت سننے کے قابل ہونا پڑے گا، اور اس کے لیے جنگی طیاروں کو خاموش ہونا پڑے گا۔ انہوں نے کہا، "عام طور پر، ہم صرف ان آنسوؤں کو جانتے ہیں جو ہم اپنے جسم پر لگے زخموں کے لیے بہاتے ہیں۔ لیکن اگر غزہ یا منی پور میں بہت دور کسی دوسرے انسان کو تکلیف ہوتی ہے، تو ہمیں اپنی آنکھوں میں درد کے ان آنسوؤں کو دعوت دینا چاہیے۔" وہ امید پر بند ہوا، ایک ہرن کے بارے میں ایک کہانی کے ساتھ جس میں ایک شیر کو جھاڑی میں بیٹھا ہوا نظر آتا ہے اور بھاگنے کے بجائے، آگے بڑھ کر پکارتا ہے — ریوڑ کو خبردار کرنے کے لیے نہیں، بلکہ شکاری کو بتانے کے لیے کہ یہ دیکھا گیا تھا۔ وزیر اعظم نریندر مودی کے بظاہر حوالہ دیتے ہوئے، راج نے کہا، "ہمارا مہاپربھو خوفزدہ ہے۔ بچوں نے انہیں ڈرایا ہے،" جنتر منتر پر کاکروچ جنتا پارٹی کی قیادت میں این ای ای ٹی پیپر لیک کے خلاف احتجاج کا حوالہ دیتے ہوئے، جس کی وجہ سے اس وقت کے مرکزی وزیر تعلیم دھرمیندر پردھان نے استعفیٰ دے دیا تھا۔ انہوں نے کہا کہ نوجوان نے حکمران کو جھنجھوڑ کر رکھ دیا تھا۔ "وہ دو قدم پیچھے ہٹ گئے، کیا وہ؟ آیئے ایک قدم آگے بڑھیں۔ اب غریب آدمی ریل بنا رہا ہے۔ ریل کنگ،" راج نے مختصر ویڈیوز کے ذریعے جنرل زیڈ کی حمایت حاصل کرنے کی مودی کی کوششوں کا حوالہ دیتے ہوئے کہا۔ اپنے سیٹ پر یہ پوچھے جانے پر کہ وہ صرف موافقت اور سمجھوتہ کیوں نہیں کرسکتا، اس نے کہا کہ وہ ہر بار ایک ہی جواب دیتے ہیں: "مردہ مچھلیاں ندی کے ساتھ ساتھ تیرنے کے لیے کافی ہوتی ہیں۔ لیکن مچھلی کو کرنٹ کے خلاف تیرنے کے لیے زندہ ہونا چاہیے۔"

راہول گاندھی کو وزیر اعظم بنانے پدیاترا کنیا کماری سے کشمیر تک سفر کے وینکٹیش کی مہیش کمار گوڑ سے ملاقات

حیدرآباد۔ راہول گاندھی کو وزیر اعظم کے عہدہ پر فائز کرنے کے حق میں شعور بیداری مہم کے تحت کنیا کماری سے کشمیر تک پدیاترا کرنے والے شخص نے آج حیدرآباد میں صدر پردیش کانگریس مہیش کمار گوڑ سے ملاقات کی۔ آندھرا پردیش کے ساکن کے وینکٹیش نے راہول گاندھی کی سالگرہ کے موقع پر 19 جون کو کنیا کماری سے پدیاترا کا آغاز کیا تھا۔ 85 دنوں میں انہوں نے 1530 کیلو میٹر کا فاصلہ طئے کیا۔ آندھرا پردیش ہائی کورٹ کے وکیل کے وینکٹیش نے راہول گاندھی فیوچر آف انڈیا کے عنوان سے پدیاترا کو جاری رکھا ہے۔ مہیش کمار گوڑ نے وینکٹیش کی ستائش کی اور تہنیت پیش کی۔ سابق رکن راجیہ سبھا وی ہنمنت راؤ فشریز کارپوریشن صدرنشین ایم سائی کمار و دیگر موجود تھے۔ وینکٹیش نے بتایا کہ کشمیر پہنچ کران کی پدیاترا ختم ہوگی اور وہ عوام کو راہول گاندھی کی خدمات سے واقف کراکر وزیر اعظم بنانے کی اپیل کررہے

ووٹرس نوٹس کی جانچ پڑتال میں آدھار اور پیان کارڈس کو قبول نہیں کیا جارہا ہے

اگر ووٹر معروف ہے تو سماعت کے لیے جانا ضروری نہیں، سیلف سرٹیفکشن کے ساتھ نمائندہ بھیجنے کی اجازت

اضلاع حیدرآباد، رنگاریڈی اور میڑچل ملکاجگری میں 40 لاکھ ووٹرس کو نوٹس، الیکشن کمیشن کے منظور دستاویزات قابل قبول

حیدرآباد: گریٹر حیدرآباد رنگاریڈی اور میڑچل ملکاجگری اضلاع میں انتخابی حکام کی جانب سے ووٹر فہرستوں کی تصدیق کا عمل شہریوں کیلئے شدید پریشانی کا باعث بن رہا ہے، جب ووٹر انکوائری کیلئے شناختی کارڈ مانگا جاتا ہے تو 90 فیصد لوگ اپنا آدھار دکھارہے ہیں اور ساتھ ہی پیان کارڈ پیش کررہے ہیں لیکن انتخابی عہدیدار فی الحال ووٹر انکوائری کے عمل کیلئے ان دونوں کو بالکل قبول نہیں کررہے ہیں۔ اس وجہ سے روزآنہ 50 فیصد سے زیادہ ووٹرس کو بلاتصدیق واپس بھیجا جارہا ہے اور دیگر متبادل شناختی کارڈ لانے کا مشورہ دیا جارہا ہے جس سے ملازمت پیشہ افراد اور مزدور طبقہ کو شدید پریشانی کا سامنا ہے۔ صاحب نگر سمیت شہر کے کسی بھی ووٹر انکوائری سنٹر پر یہی عدم اطمینان اور ہنگامہ آرائی نظر آرہی ہے۔ شہری تمام دستاویزات جمع کرانے اور ڈیجیٹل کے وائی سی (KYC) مکمل کروانے کے باوجود دوبارہ نوٹس ملنے پر عہدیداروں پر برہمی کا اظہار کرتے ہوئے سوال کررہے ہیں کہ تمام مراحل مکمل ہونے کے بعد بھی انہیں دوبارہ نوٹس کیوں دیا گیا ہے۔ ریاست میں گزشتہ 3 ماہ سے ووٹر سروے کیا جارہا ہے۔ ایک بار پری سروے کے نام کام شروع ہوا تو اس کے بعد دوبارہ میاپنگ کی گئی، بہت سے لوگ صبح کام پر نکل جاتے ہیں اور ان رات کو لوٹتے ہیں جبکہ کچھ اپنی ڈیوٹی کے سلسلہ میں دن بھر مختلف علاقوں میں گھومتے ہیں۔ ان کے حالات کو سمجھے بغیر انتخابی عہدیدار نے میاپنگ نہ ہونے والے ووٹرس اور ووٹر تفصیلات میں غلطیوں والے زمرے کے لوگوں کو نوٹس جاری کردیئے ہیں۔ تینوں اضلاع حیدرآباد، رنگاریڈی اور میڑچل ملکاجگری میں جملہ 40 لاکھ ووٹرس کو نوٹس موصول ہوئی ہیں جن میں سے تقریباً 15 لاکھ ایسے ہیں جن کی میاپنگ ڈیوٹی یا غیر موجودگی کے باعث نہیں ہوسکی تھی، رائے دہندگان کے والدین کے ناموں میں Sur Name ہونا اور ان کا ریکارڈ ماں اور بچے کی عمر میں 18 سال سے کم فرق ہونا جیسے معمولی وجوہات پر نوٹس دی گئی ہے۔ برسوں پرانے شناختی کارڈس مانگنے پر کئی ووٹرس مایوس ہوکر یہ بحث کررہے ہیں کہ وہ اپنا ووٹ ہی چھوڑ دیں گے۔ سنٹرل الیکشن کمیشن کی جانب سے بتائے گئے مخصوص شناختی کارڈس جنہیں انکوائری کیلئے قبول کیا جارہا ہے، حکومت کی طرف سے جاری کردہ کوئی شناختی کارڈ یا تصویر والا پنشن کارڈ، پبلک سیکٹر انڈر ٹیکنگس (PSUS) NIC، پوس آفس، بینکوں، مقامی اداروں، مرکزی اور ریاستی حکومتوں کے ذریعہ جاری کردہ شناختی سرٹیفکیٹ، مجاز اتھاریٹی کا جاری کردہ برتھ سرٹیفکیٹ، درست پاسپورٹ، 10 ویں جماعت یا یونیورسٹیز سے جاری کردہ تعلیمی قابلیت کا سرٹیفکیٹ، رہائشی سرٹیفکیٹ، محکمہ جنگلات کی طرف سے جاری کردہ حقوق کا سرٹیفکیٹ، سرکاری طور پر جاری کردہ SC-OBC اور ST ذات کے سرٹیفکیٹس، 2014 سے پہلے کا جاری کردہ خاندان کے افراد کا سرٹیفکیٹ، حکومت کی جانب سے جاری کردہ مکان اور زمین کے ٹائٹل / شناختی کاغذات، ووٹرس کیلئے راحت فراہم کی گئی ہے کہ کوئی بھی دستاویز جمع کراسکتا ہے۔ اس پریشانی کے حل کیلئے الیکشن کمیشن نے واضح کیا ہے کہ ووٹر کو خود نوٹس کا جواب دینے کیلئے انکوائری سنٹر آنے کی ضرورت نہیں ہے، وہ اپنے کسی نمائندے یا فیملی ممبر تفتیش کیلئے بھیج سکتا ہے۔ تاہم اس کیلئے ERO ہو کہ وہ منظور شدہ شناختی کارڈ کے ساتھ کسی خاص شخص کو اپنی نمائندگی کیلئے بھیج رہے ہیں۔

اندرا اماں ہاوزنگ اسکیم کے غیر منتخب درخواست گذاروں کو فیس کی رقم واپس

40 ہزار درخواست گذار نا اہل، غلط فون نمبر کی آن لائن درستگی کی سہولت، خیریت آباد کی فہرست جاری

حیدرآباد۔: تلنگانہ ہاوزنگ بورڈ کی جانب سے اندرا اماں ہاوزنگ اسکیم کے تحت منتخب نہ ہونے والے درخواست گذاروں کی جمع کروائی گئی 10 ہزار روپئے کی واپس کرنے کا عمل 11 ستمبر سے شروع ہوچکا ہے۔ اس کے ساتھ ہی طویل انتظار کے بعد ہاوزنگ بورڈ نے اسمبلی حلقہ خیریت آباد کے منتخب مستفیدین کی فہرست بھی آفیشل ویب سائٹ پر اپ لوڈ کردی ہے۔ ریونیو، ٹرانسپورٹ، جی ایچ ایم سی اور دیگر متعلقہ محکموں کے رپورٹس کی روشنی میں ہاوزنگ بورڈ نے 360 ڈگری انسپکشن کے ذریعہ سخت چھان بین کی ہے۔ 16 اسمبلی حلقوں سے جملہ 60,720 درخواستیں موصول ہوئی تھیں۔ چھان بین اور فیلڈ رپورٹس کی بنیاد پر بورڈ نے پہلے مرحلے میں ہی تقریباً 40 ہزار افراد کو نا اہل قرار دے کر فلٹر کردیا ہے۔ ہاوزنگ بورڈ تمام نا اہل قرار پانے والے 40 ہزار درخواست گذاروں کو ان کی جمع کردہ 10 ہزار روپئے کی رقم ان کے اکاونٹس میں واپس منتقل کررہا ہے۔ واضح رہے کہ 31 اگست کو 16 اسمبلی حلقوں میں قرعہ اندازی کا عمل مکمل کیا گیا تھا اور خیریت آباد کو چھوڑ کر دیگر 15 اسمبلی حلقوں کی فہرست اسی وقت جاری کردی گئی تھی۔ قرعہ اندازی کے وقت اسمبلی حلقہ خیریت آباد کی نمائندگی کرنے والے مقامی رکن اسمبلی ڈی ناگیندر نے موقع پر پہونچکر ہاوزنگ بورڈ کے حکام پر شدید برہمی کا اظہار کیا تھا اور مقامی شہریوں نے الزام لگایا تھا کہ خیریت آباد کے مکانات دیگر حلقوں کے لوگوں کو الاٹ کیئے جارہے ہیں۔ عہدیداروں نے ان اندیشوں پر دوبارہ کارروائی کی کہ آیا اسمبلی حلقہ جوبلی ہلز یا دیگر علاقوں کے افراد نے بھی اسمبلی حلقہ خیریت آباد میں مکانات کے لیے درخواستیں دی ہے۔ ان تمام خدشات اور علاقوں کی مکمل تصدیق کے بعد فہرست آن لائن جاری کی گئی ہے۔ فیلڈ لیول کی تفتیش کے دوران معلوم ہوا کہ منتخب افراد میں بہت سے لوگوں کے فون نمبر غلط درج تھے۔ اس مسئلہ کے حل کے لیے بورڈ کے آفیشل پورٹل پر آدھار یا اپلیکیشن نمبر کے ذریعے موبائل نمبر اپ ڈیٹ کرنے کی آن لائن سہولت فراہم کردی ہے۔ مکانات کے لیے منتخب شدہ افراد کے فیلڈ سروے کے تحت اب تک 5500 خاندانوں کا سروے مکمل کیا جاچکا ہے۔ حکام کا کہنا ہے کہ سروے مکمل ہونے میں مزید 2 دن لگیں گے۔ جس کے بعد حتمی منظوری کے ساتھ ہی پورٹل پر فہرست دستیاب ہوگی۔

Editor Printer, Publisher & Owner by MOHD ATHER RAHEEM Published from FALAKNUMA NEWS Urdu Weekly 19-4-276/5/A Flat No 502.5th Floor Lakeview Residency,Baquar Nagar,BNK Colony,Miralam Tank Hyderabad 500 064. Printed at RIYAZ PRINTING PRESS #22-8-161 Behind Nayaab Hotel Chatta Bazar,Hyderabad-500002 Telangana.Head Office Contact No.04045375318,www.falaknumanews.in